(حاصلِ مطالعہ)

ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک مختصر مطالعہ

تیسر امکمل ایڈیشن

محمد بشیر ہرل

حاصلِ مطالعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰؐ کی حیاتِ طیبہ کا ایک مختصر مطالعہ

تیسرا مکمل ایڈیشن

محمد بشیر ہرل

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب:	ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مرتب:	محمد بشیر ہرل
پہلا ایڈیشن:	جولائی ۲۰۱۲ء
دوسرا ایڈیشن:	جنوری ۲۰۱۳ء
تیسرا ایڈیشن:	مارچ ۲۰۱۸ء
تزئین:	محمد افضل ڈیزائن کلب فیصل آباد
صفحات:	۱۳۶
تعداد اشاعت:	۱۱۰۰
قیمت:	۳۰۰ روپے
ناشر:	مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد
ملنے کا پتہ:	الکتاب سٹڈی سرکل

۵۔ چناب مارکیٹ، مدینہ ٹاؤن فیصل آباد
فون: 0333-6517766. 041-8554460
alkitabsc@hotmail.com
mbherl@hotmail.com

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اپنے مرحوم والد گرامی کے نام منسوب کرتا ہوں
جنہوں نے اپنی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق
عملی طور پر بسر کر کے دکھائی۔

محقق عالمِ دین مولانا محمد زاہد صاحب

شیخ الحدیث ونائب مدیر جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

کے کلمات بابرکات

یوں تو حبیبِ کائنات کی سیرت مبارکہ پر چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں موجود ہیں، مگر جناب محمد بشیر ہرل صاحب کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ ان کی کتاب "ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اختصار و جامعیت کی ایک اعلیٰ مثال ہے، انہوں نے سیرتِ طیبہ کے اہم گوشوں کو سلیس زبان میں بہت جامع انداز سے جمع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ ان کی یہ کاوش طلبہ وطلبات اور کم فرصت والے پڑھے لکھے حضرات کے لئے مفید اور نافع ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کی نافعیت کو عام فرمائے۔

۳ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ (20 جنوری 2018ء)

محمد زاہد

خادم طلبہ جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

"حکومتِ پنجاب اور حکومتِ پاکستان اسے پانچویں کلاس سے طلبہ وطالبات کے سلیبس میں شامل کریں"

تیسرے ایڈیشن پر
سابق ڈائریکٹر ایجوکیشن (کالجز) کی فاضلانہ رائے

جناب محمد بشیر ہرل کی مندرجہ ذیل تصانیف کی زیارت اور مطالعہ کا اتفاق ہوا: ۱۔ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۲۔ پیغمبرِ تعلیم وتہذیب، اور ۳۔ ورفعنا لک ذِکرک۔ مصنف کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی جس نے ان چھوٹی چھوٹی کتابوں کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ شامل کیا ہے جو کہ سمندر کو کُوزے میں بند کرنے والی بات ہے۔ مصنف بہت کم وقت میں وسیع معلومات فراہم کرنے میں نہائت کامیاب رہے ہیں۔ جس طرح انہوں نے اتنی جامع معلومات کو اختصار سے بیان فرمایا ہے وہ انہی کا خاصہ ہے۔ مزید برآں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام پر ناقدین
کے اعتراضات کے قرآن وحدیث کے مطابق عقلی دلائل پر مبنی مختصر مگر پُراثر جوابات سے تشفی کرائی گئی ہے۔ اس قابلِ رشک اور قابلِ تعریف کام کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔ یہ کتابیں پڑھنے سے ایمان نہ صرف تازہ بلکہ مضبوط ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو مزید پڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

میں نے جناب بشیر ہرل کو تجویز پیش کی ہے کہ وہ ان تینوں تحریروں کو ملا کر ایک جلد میں شائع کریں، جو میری نظر میں سیرتِ طیبہ کا نسخۂ کیمیا ثابت ہوگا اور نہ صرف مسلمانانِ پاکستان مستفیذ ہوں گے بلکہ پوری دنیا کے لیے شمعِ ہدایت کا کام دے گی۔ (اس ایڈیشن میں تینوں تحریریں یکجا کر دی گئی ہیں)
میری تجویز ہے کہ حکومتِ پنجاب اور حکومتِ پاکستان اسے پانچویں کلاس سے طلبہ وطالبات کے سلیبس میں شامل کریں تاکہ بچے اور اساتذہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور خلقِ عظیم کے پیروکار بن کر اپنی زندگی کو بھی اُسی اسوۂ حسنہ اور خلقِ عظیم کے ڈھانچے میں ڈھال سکیں۔
اللہ تعالی ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کو مزید توفیق عطا فرمائے کہ اپنی تصانیف سے نوجوان نسل کے ذہن وقلب کو ایمان کی روشنی سے منور کرسکیں۔ آمین۔ ثمَّ آمین۔

ڈاکٹر عبدالرشید خان، سابق ڈائریکٹر ایجوکیشن (کالجز)
حال پرنسپل دارِارقم پبلک ہائی سکول گلشنِ رفیق سمن آباد فیصل آباد

"ذکرحبیب" کے سابقہ ۲ ایڈیشن پر اہلِ علم کے کلماتِ توصیف۔

(مولانا مجاہدالحسینی صاحب، مصنف "اول صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب "سیرت وسفارتِ رسولؐ")
"ذکرِ حبیبؐ سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر محمد بشیر ہرل صاحب جیسی محقق شخصیت کا نتیجہء فکر ہے۔ بہت معلوماتی، تحقیق کا اچھا انداز اور لائقِ تشجیع ہے"۔

(پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر صاحب PHD۔۔۔مدیر ماہنامہ التجوید فیصل آباد)
"مرتب نے رسول ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے اہم واقعات کو مرحلہ وار ترتیب کے اعتبار سے یکجا کر دیا ہے۔ اگرچہ کتاب کا حجم مختصر ہے لیکن اچھا ہے کہ غیر ضروری طویل بحث اور تکرار سے مبرّا ہے۔ قاری کو کم وقت زیادہ معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے سہولت کا باعث ہے۔ (روز نامہ پاکستان لاہور میں شائع شدہ ۳ کالمی تبصرہ)

(جناب سید افسر ساجد صاحب، مفکر، مصنف، سابق ڈپٹی کمشنر)
"A book of rich relegious content. Publication of second edition speaks for its popualarity with the readers. The language is simple but graceful. The author deserves praise for the value of his work" (روزنامہ پاکستان ٹوڈے کے میگزین "لاونج" کے ۲۸ اپریل ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں پورے صفحہ پر شائع شدہ تبصرہ سے اقتباس)

(پروفیسر مسز شاہد رائے، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، مدینہ ٹاؤن فیصل آباد)
"Comprehensive, concise and highly informative work"

(مولٰینا مفتی سعید احمد صاحب، اضل وفاق المدارس و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی)

91 محمد بشیر ہرل

ذکرِ حبیب واقعی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر نہائت عمدہ تصنیف ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے رسوم وعقائد کا ذکر کرکے واضح کیا گیا ہے کی اسلام نے کس طرح شرک کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ کتاب اپنے اختصار کے باوجود معلومات کا ایک خزانہ ہے۔

(جناب شفقت جیلانی صاحب، ٹریز وکنسلٹنٹ، لاہور)

"An excellent work of dedication and love. Read it yourself and ask your children, family and friends to read Zikr-e-Habib written by Mr, Muhammad Bashir Herl"

(محترمہ اُمِ دانش صاحبہ، الھدٰی سکول آف اسلامک سٹڈیز، صادق آباد راولپنڈی)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے بارے میں نہائت قابلِ قدر تصنیف"۔ محترمہ نے ۱۴ فروری ۲۰۱۳ء کو مصنف کو اپنی کلاس سے خطاب کا موقع بھی دیا۔

(کرنل اویس بٹ صاحب، پرنسپل جائنٹ فورسز کیڈٹ کالج، ملتان)

"ذکرِ حبیب ایک بے مثال کتابِ سیرت ہے۔ سادہ زبان، جامع المعلومات، اور محسنِ انسانیت کی شخصیت کا شاندار تعارف ہے"

(جناب شیخ محمد اشفاق صاحب، چیئرمین اشفاق ٹیکسٹائل ملز)

ذکرِ حبیب پڑھ کر حیرت ہورہی ہے کہ اتنی تحقیق کو کیسے سادہ الفاظ اور سلیس زبان میں اس قدر اختصار کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ واقعی آجکل ضخیم کتابیں پڑھنے کی فرصت اور ذوق نہیں رہا۔ ایسی جامع اور مستند کتاب ایک نعمت ہے۔

(جناب نسیم افضل صاحب (میجر داد) اسلام آباد کے انوائرنمنٹل سائنٹسٹ،
"اللہ قبول کرے آپ کا یہ نذرانہ۔ آپ نے بہت ہی کم جگہ میں، انتہائی نفاست سے بہت کچھ دے دیا ہے اس چھوٹی سی کتاب میں۔ بہت اعلیٰ"

(جناب محمد اقبال خان، مصنف "مدینہ کا تنہا مسافر" "طاقِ نسیاں" اور "اے خنک شہرے")
ذکر حبیب پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ بہت ہی مزہ آیا۔ بہت مختصر اور مکمل۔ اس میں دی گئی معلومات اور شیڈولز کا بہت لطف آیا۔ اندازِ بیان، کاغذ، پرنٹنگ، فونٹ سب کچھ مثالی اور قابلِ رشک ہے۔ واہ۔ جزاک اللہ خیر۔"

(جناب مولوی محمد اسحاق کھوکھر صاحب، فاضل فارسی، اوٹی، خطیب جامع مسجد ابراہیمی)
محترم محمد بشیر ہرل صاحب نے سیرت جیسے بحرِ ذخار مضمون کو "ذکرِ حبیب" میں ایسے سمودیا ہے جیسے سمندر کو کُوزے میں بند کیا ہو۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے اہم حالات و واقعات کو خوب ترتیب کے ساتھ مختصر عبارات میں سمیٹا ہے۔ موجودہ دور کے جدید تقاضوں کے مطابق یہ کتاب نئی نسل کے لئے انشاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگی۔

(جناب حکیم محمد حسن جوئیہ صاحب، راولپنڈی)
کتاب "ذکر حبیب" پڑھی ہے کمال ہے کہ اتنے مختصر حجم میں ذاتِ مبارکہ کا اور اُس عہد کا ایسا تعارف پیش کر دیا ہے کہ حق ادا ہو گیا۔

فہرست عنوانات

پیش لفظ 12

پہلا باب قبل از اسلام

قبل از اسلام خطہ عرب کی رسوم و عقائد
معاشرت
اوہام اعتقادات
رسوم ورواج
مذاہب
بعثت کے وقت دیگر اقوام عالم کی حالت
طلوع اسلام

دوسرا باب حیاتِ طیبہ

حضورؐ کی شخصی
نسبِ عالی
خانوادہ رسولؐ
امہات المومنین
آلِ رسولؐ
حضورؐ کا حلیہ مبارک
حضورؐ کا لباس
حضورؐ کے خدام
حضورؐ کے جانور
اخلاقِ عالیہ
کامل شخصیت
ایک کامل لیڈر
سادہ طرزِ زندگی

تیسرا باب اہم سنگِ میل

حیات طیبہ کے اہم سنگِ میل
عربوں کے ۱۴ مشہور بتوں کے محل وقوع

چوتھا باب — بے جا اعتراضات

پیغمبر تعلیم و تہذیب
مقاصدِ بعثت
تعلیم و تربیت
عبداللہ بن مکتوم
سورۃ فرقان
سورۃ حج
اولین خطبہ جمعہ
مدینہ میں دوسرے جمعہ کا خطبہ
واقعہ نخلہ
جنگِ بدر، احد اور بنو قریظہ
ازواجِ مطہرات کو ہدایت
مسلمان مرد کی صفات
فتح مکہ
معاشرتی احکام
آدابِ ملاقات
خطبہ تبوک
خطبہ حج الوداع
خطبہ مسجدِ خیف

پانچواں باب — تدریجہ طریقہ تعلیم

ورفعنا لک ذکرک
بے بنیاد تنقید کی مہم کوئی
اعتراضات
مکی دور
مدنی دور
شادی کے وقت حضرت عائشہ کی عمر
توہین آمیز کارٹون اور فلم
حرف آخر

پیش لفظ

؎ اے ظہورِ تو شبابِ زندگی جلوہ ات، تعبیرِ خوابِ زندگی (اقبال)

سرورِ کائنات ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے متعلق اس مختصر تحریر کی تدوین کے لیے میں نے متعدد دیگر کتبِ سیرت و تاریخ کے علاوہ بالخصوص مولانا سید سلیمان ندوی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا ماہر القادری، مولانا صفی الرحمان مبارک پوری، مولانا اشرف علی تھانوی، اور قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی تحقیق سے استفادہ کیا ہے۔ میں استاذی المکرم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب ایم اے، مولانا قاری حبیب الرحمان خلیق فاضلِ مدینہ یونیورسٹی خطیب جامع مسجد توحید، اور حضرت مولانا مجاہد الحسینی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کمال توجہ سے متن کا جائزہ لیا، اصلاح فرمائی، اور پسند فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

اس تیسرے ایڈیشن میں ”قبل از اسلام“ کے رسوم و عقائد، رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات، اور آپ ﷺ کے تدریجی طریقۂ تبلیغ کے علاوہ آپؐ پر کیے جانے والے اعتراضات کے مدلل جوابات بھی شامل کیے گئے ہیں جس سے غیر مسلموں کے پروپیگنڈہ کے برعکس تاریخی حقائق اپنی اصل صورت میں سامنے آئیں گے۔ امید ہے یہ کوشش مفید ثابت ہو گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب
قبل از اسلام
خطۂ عرب کے رسوم وعقائد

بنی نوع انسان پر اسلامی تعلیمات کے صحیح اثرات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ طلوعِ اسلام سے قبل ارضِ اسلام کے مذہبی وسماجی عقائد ورسوم کو سمجھا جائے۔ اس مضمون میں طلوع اسلام سے متصل عہد کے اعتقادات ورسومات کوشامل کیا گیا ہے۔ قدیمی تہذیبوں کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔

اس مضمون کے مآخذ میں ''ارض القرآن کامل'' از علامہ سید سلیمان ندوی، "History of Muslim Philosophy" از ایم۔ایم۔شریف،اور "رحمۃ اللعالمین" از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری بھی شامل ہیں۔

معاشرت

زبان:

کسی بھی قوم کے مذہبی عقائد کو سمجھنے سے قبل ان کے سماجی اور معاشی پس منظر کو جاننا ضروری ہے۔ خطۂ عرب بیشتر ریتلا میدانی علاقہ ہے۔ جس میں کچھ حصے قابل کاشت لیکن کچھ بالکل صحرائی ہیں۔ کہیں کہیں نخلستان موجود ہیں۔ لیکن بالعموم زمین بے آباد اور ناقابل کاشت ہے۔ چنانچہ شہری آبادیوں کے لئے ناموزوں ہے۔ لوگ روایتاً خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی گزراوقات بھیڑوں اور اونٹوں پر تھی۔ اور اپنے اپنے گلوں کے لئے پانی اور چارے کی تلاش میں مسلسل محوسفر رہتے تھے۔ کوئی مستقل مستقر نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کوئی ثقافتی بنیاد نہ بن سکی۔ اور ہم جن علوم وفنون کو تہذیب کا مظہر سمجھتے ہیں وہ ان سے نا آشنا رہے۔ لکھنے پڑھنے کا فن چند افراد تک محدود تھا۔ ان کے ذہنی افق محدود تھے اور زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے میں ہی ان کی ساری توانائیاں صرف ہو جاتی تھیں۔ ان کے پاس فلسفیانہ مذہبی ثقافتوں کے لئے فرصت ہی نہیں ہوتی تھی۔ ان کا مذہب سادہ بت پرستی اور چند اقوال زریں پر مبنی تھا۔ اگرچہ قدیم عربوں کے پاس کوئی تحریری لٹریچر موجود نہیں تھا۔ تاہم ان کی زبان میں بلاغت غیر معمولی تھی۔ مجسمہ سازی یا مصوری کا وجود نہ ہونے کی وجہ سے سارا زور زبان کی نزاکتوں پر تھا۔ انہوں نے اپنی زبان کو ایک فنِ لطیف کا درجہ دے دیا تھا۔ اور قوتِ اظہار پر جائز طور، پر بلا کا فخر کرتے تھے۔ چنانچہ شاعر اور داستان گو جتنی زیادہ قدرتِ کلام اور بلاغت کا اظہار کر سکتے ان کی عزت اور مرتبہ اتنا ہی بلند ہوتا۔

تمدن:

خطۂ عرب کی معاشرت قبائلی تھی۔ عہد حاضر کی طرح اس دور میں بھی قبیلے خونی رشتوں پر مبنی ہوتے تھے۔ خاندان اور قبیلے کا انفرادی اور اجتماعی سطح پر دفاع وحفاظت ایک مقدس فریضہ تھا۔ اگر کوئی عزیز مدد مانگتا تو انکار ناممکن تھا۔ حق ناحق کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مکہ کی آبادی آنحضرتؐ سے چند پشت پہلے تک صرف خیموں پر مشتمل تھی۔ پتھر یا مٹی کی کوئی عمارت نہیں

تھی سوائے کعبہ کے۔ قصی بن کلاب نے اسلام سے تقریباً ایک سو پچاس برس پیشتر، شام سے حجاز آ کر تہذیبی زندگی متعارف کروائی۔ حجاز کا صوبہ قریش کا وطن تھا۔ مکہ میں یہی خاندان دوسو پچاس سال تک مالک و غالب رہا۔ لیکن حضورؐ کی ولادت باسعادت سے تقریبا ایک سو پچاس سال قبل حالت ایسی ہوگئی تھی کہ دوسرے قبائل نے قریش کو دبا لیا تھا۔ اس دور میں قصی بن کلاب جس کی پرورش شام میں ہوئی تھی۔ اور وہاں کے تہذیبی معاشرتی اور قانونی ڈھانچہ سے واقف و متاثر تھا، اس نے آ کر مکہ میں بھی قریش کے منتشر اجزاء کو اکٹھا کیا اور چند چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد مکہ کی سرزمین میں قریش کی ایک مختصر سی حکومت بن گئی۔ جس کی حیثیت ایک شہری جمہوریت کی سی تھی۔ جیسی کہ اس سے پیشتر یونان میں ایتھنز اور اسپارٹا ہو گزری تھیں۔ قصیؒ نے انصرام حکومت کے لئے مذہبی، جنگی، اور عدالتی شعبے قائم کئے۔ اور چھوٹا سا دارالحکومت دارلندوہ کے نام سے بنایا۔ ہر قسم کے اجتماعی، تجارتی، عدالتی، اور سیاسی احکام اور فیصلے حتیٰ کہ شادی بیاہ اور بلوغ کی رسوم اور تجارتی قافلوں کی روانگی وغیرہ، جملہ داخلی اور خارجی امور یہیں بیٹھ کر طے ہوتے۔ (قریش نے حضور اکرمؐ کے قتل کا فیصلہ بھی اسی ایوانِ عدالت میں بیٹھ کر کیا تھا)۔ تعلیم و تعلم کا رواج نہیں تھا۔ البتہ بازاروں منڈیوں کی ضرورت کے پیش نظر کوئی کوئی منشی پڑھا لکھا ہوتا۔

اخلاقی اقدار:

اگرچہ قدیم عربوں کی زندگی پر کسی معین مذہب کا غلبہ نہیں تھا۔ تاہم ان کو بالکل لا قانونی معاشرہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ عربوں کا صنم پرست معاشرہ بھی کچھ اقدار اور اصولوں پر مبنی تھا۔ وہاں نہ کوئی تحریری ضابطے موجود تھے نہ قانونی یا مذہبی پابندیاں۔ البتہ روایت اور رائے عامہ کا ان پر براہ راست بہت اثر تھا۔ اور ان کی اخلاقی اور سماجی اقدار اس عہد کی شاعری میں واضح شکل میں محفوظ ہیں۔ عہد کی پابندی، میدان جنگ میں شجاعت، تکلیف کے وقت صبر، اپنے قبیلے سے وفاداری، غربا کے ساتھ سخاوت، امانت داری، فراخدلانہ مہمان نوازی، اور جذبۂ انتقام میں پختگی اعلیٰ ترین اخلاقی جوہر گردانے جاتے تھے۔ حاتم طائی کی داستان فخریہ بیان کی جاتی ہے۔ اور شاعروں کے کلام شجاعت کی داستانوں سے بھرے

ہوتے۔ اسی طرح انتقام کی نظمیں اس وقت تک پڑھی جاتی رہتیں جب تک بدلہ نہ لے لیا جاتا۔ جاہلانہ غرور و تفاخر ان کی سب سے بڑی برائی تھی۔ صرف اس کی بناء پر اکثر لڑائیاں اور خون ریزی ہوتی۔ اور اسی کی وجہ سے بے گناہ بچیاں بسا اوقات پیدا ہوتے ہی دفن کر دی جاتیں۔

اوہام و اعتقادات

جن بھوت:

متعدد دیوتاؤں کے علاوہ مشرکینِ عرب جنات اور بھوت پریت کے بھی قائل تھے۔ (لفظ جن کا مطلب چھپا ہوا، یا ڈھکا ہوا)۔ ان کو خدا یا خدا کے ہم پایہ سمجھتے تھے۔ ان کی دہائی مانگتے تھے، اور ان کے غضب سے ڈرتے تھے۔ عموماً جنوں کو شرارتی مخلوق تصور کیا جاتا تھا۔ اور ان کے ساتھ ڈر اور خوف وابستہ تھا۔ خالی جگہوں کو ان کا مسکن تصور کیا جاتا۔ جنوں سے منسوب کہانیوں میں لوگوں کو اٹھا لے جانے، یا لوگوں پر قبضہ کر لینے کا تصور عام تھا۔ جنوں کو خدا کا شریک بھی سمجھا جاتا اور ان کے نام سے نذر نیاز بھی دی جاتی۔

روح:

قدیم عرب میں روح کا تصور انسانی بدن سے مختلف، ہوا کی قسم کا تھا۔ یہ تصور اتنا پختہ تھا کہ سانس کے لئے عربی لفظ ''نفس'' پوری انسانی شخصیت کے لئے مستعمل ہو گیا۔ اس تصور کو مزید پختگی اس مشاہدہ سے ملتی ہے کہ انسان جب سانس لینا بند کر دیتا ہے تو مر جاتا ہے۔ خیال تھا کہ موت کے وقت سانس اور زندگی، مادی بدن سے ناک منہ کے رستے نکل جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں انسانی روح کے لئے دونوں لفظ (روح اور نفس) استعمال ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص قتل ہو جاتا تو یہ خیال عام تھا کہ اس کی روح قاتل کے خون کی پیاسی رہتی ہے۔ اس کا انتقام نہ لیا جائے تو اس کی روح اس وقت تک اس کی قبر پر الو کی شکل میں ظاہر ہو کر اسقنی اسقنی (میری پیاس بجھاؤ) پکارتی رہتی ہے، جب تک کہ اس کا انتقام نہ لے لیا جائے۔

حیات بعد از موت:

قبل از اسلام میت کی تدفین کی رسوم سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی قسم کی حیات بعد از موت کے بھی قائل تھے۔ مثلاً کسی سردار کی موت کے بعد ایک اونٹ کو اس کی قبر پر بٹھا دیا جاتا حتیٰ کہ وہ بھوک پیاس سے مر جاتا۔ تصور تھا کہ یہ اونٹ مرنے والے کی خدمت پر مامور تھا۔ اس طرح مردوں کی قبروں پر جا کر جانور ذبح کرنے کی رسم عرب میں آج تک زندہ ہے۔ قدیم عرب شاعری میں اپنے پیاروں کی قبر پر اکثر بارش کی تمنا ہوتی تھی۔ وہیں سے ہمارے تصورات میں بھی "آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے" وغیرہ احساسات در آئے ہیں۔ اگرچہ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرنے والوں کا کچھ نہ کچھ تعلق باقی سمجھا جاتا تھا، لیکن یہ تصور گرد آلود اور مبہم تھا۔ کوئی واضح عقیدہ نہیں تھا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں بتایا گیا، ان لوگوں کو اس بات پر حیرت تھی کہ جب ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو آدمی دوبارہ کیسے زندہ ہو سکے گا۔ حیات بعد از موت یا جواب دہی کا واضح تصور ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا۔ مشرکین عرب کو سب سے زیادہ دو باتوں کی تسلیم سے سخت انکار تھا۔ ایک حشر و نشر کے اعتقاد اور دوسرے رسالت و نبوت کے دعوے سے چنانچہ رہ رہ کر ان کو تعجب ہوتا تھا کہ کیا مر کر بھی کوئی جی سکتا ہے اور آدمی ہو کر بھی کوئی خدا کا فرستادہ بن سکتا ہے۔

مقدر:

عموماً قدیم اہل عرب قسمت پر شاکر ہوتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ وہ کتنا بھی بھاگ لیں، جتنی بھی کوشش کر لیں، وہ مقدر کے لکھے کو ٹال نہیں سکتے۔ واقعات کو زمانے کے تغیر کی پیداوار سمجھتے تھے۔ سروف الدہر (زمانے کی لائی ہوئی تبدیلیاں) اس دور میں ایک عام اصطلاح تھی جیسا کہ ہم "انقلاباتِ زمانہ" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ دنیا میں اگرچہ انسان کہیں بھی تقدیر پر قادر نہیں ہے۔ لیکن عرب کے شدید اور سخت زمینی و موسمی ماحول میں تو انسان خاص طور پر تقدیر کے رحم و کرم پر ہی ہوتا تھا۔ کسی دشمن قبیلے کا اچانک حملہ، یا مال مویشی کی وبائی اموات کسی بھی رئیس کو رات بھر میں کنگال بنا سکتے تھے۔ طویل خشک سالی کی صورت میں فلاکت اور ہلاکت آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتی تھی۔ چنانچہ

معلوم ہوتا ہے کہ صحرا کی مخصوص صورتحال نے قدیم عرب معاشرے میں قسمت پر اعتقاد بہت پختہ کر دیا تھا۔ اس طرح اَن دیکھی قسمت کے آگے انسان کی مکمل بے بسی نے عربوں کے اندر صبر و شکر کا ایک تصور پیدا کر دیا تھا۔ اور صابر و شاکر ہونا ایک خوبی تصور ہوتا تھا۔ بجائے کڑھتے رہنے کے انہوں نے شاکر رہنے میں سہارا ڈھونڈ لیا تھا۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں قسمت کے لکھے کا تصور بدستور جاری رہا اور شاید اب بھی جاری ہے۔ البتہ اس کا دہر، یا وقت کی چال سے تعلق اسلام نے توڑ دیا۔

رسوم و رواج

قربانی:

قبل از اسلام دور کے عرب اونٹ، بھیڑ، بکری وغیرہ کی قربانی کرتے تھے۔ گوشت کھا لیتے اور خون بعض اوقات بتوں پر مل دیتے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قربانی سے دیوتا خوش ہوتے ہیں اور یہ انہیں دیوتاؤں سے قریب کر دیتی ہے۔ (قربانی کا لفظ ہی قرب سے نکلا ہے)۔

عقیقہ:

یہودیوں کی طرح عرب بھی نومولود بچوں کے لئے جانور قربان کیا کرتے۔ بچے کی پیدائش کے چند روز بعد اس کے سر کے بال کے مونڈ دیئے جاتے اور اس کی طرف سے ایک بھیڑ یا بکری قربان کر دی جاتی۔ اسلام میں یہ رسم جاری رہی اور عقیقہ کے نام سے اب بھی زندہ ہے۔

ختنہ:

دینِ حنیف کی رسمی علامتوں میں سب سے بڑی علامت ختنہ ہے جو اولادِ ابراہیم کے ساتھ مخصوص ہے۔ عربوں میں یہ رسم ہمیشہ سے موجود تھی۔ اسی طرح عبادت کی چیزوں میں بیت اللہ (جسے وہ بیتِ ابراہیم کہتے تھے) کا طواف دینِ ابراہیم کی سب سے پرانی یادگار ہے۔ عرب نے اپنے باپ کی ان پرانی یادگاروں کو ہمیشہ قائم رکھا اور ظہور اسلام تک یہ شعائر باقی تھے۔ البتہ توحید وغیرہ کے عقائد اکثر سینوں سے محو ہو گئے تھے۔ اسی بناء پر عرب میں

حنیف کے معنی صرف یہ رہ گئے تھے کہ جس کے ختنے ہوئے ہوں اور جس نے حج کیا ہو۔

کعبہ:

گوتمام عرب کے معبد صرف عبادت کا مقام ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ سالانہ اجتماعات کے بھی کام آتے۔ رفتہ رفتہ سالانہ زیارتیں۔ میلوں منڈیوں کی شکل اختیار کر گئیں۔ اسی قسم کا ایک معبد مکہ میں بھی موجود تھا۔ مکہ کا شہر یمن سے شام جانے والے تجارتی قافلوں کی راہ میں پڑتا۔ یہ بحیرہ احمر سے 50 میل دور ہونے کی وجہ سے سے قزاقوں سے بھی محفوظ تھا۔ اور چاہ زم زم کے وافر میٹھے پانی کی وجہ سے بھی اہم تھا۔ یہ ایک سادہ سی، مکعب شکل کی، پتھر کی عمارت تھی۔ اس وجہ سے عرب اسے کعبہ کہتے تھے۔ (مکعب) اس کے ایک کونے میں کالے رنگ کا ایک پتھر بھی تھا۔ جسے کالا پتھر یا عربی میں حجر اسود بھی کہتے ہیں۔ کعبہ کے اندر ہبل دیوتا کا بت تھا۔ جو مکہ کے قبائل کا سب سے بڑا بت تھا۔ جس کے قدموں میں ایک چھوٹا سا گڑھا بنا تھا۔ جس میں پجاری نذر نیاز رکھ دیتے۔ ہبل کے علاوہ مکہ میں لات، منات، اور عزہ کی پوجا ہوتی۔ ان کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ خانہ کعبہ پورے خطۂ عرب کا مرکز ومحور بن گیا تھا۔ طلوع اسلام کے وقت خانہ کعبہ کے اندر بت رکھے ہوئے تھے۔ یہ سارے بت پتھر کی مورتیاں نہ تھیں، کہ اتنی تعداد تو کعبہ کے اندر سما بھی نہیں سکتی تھی، بلکہ ان میں خاصی تعداد رنگین تصاویر کی تھی۔ دیواروں پر بزرگوں اور دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خطۂ عرب کے ہر حصہ کے لوگوں نے اس حرم محترم میں اپنے اپنے بت لا کر رکھ دیئے تھے۔ چونک بتوں کے علاوہ خانہ کعبہ کی دیواروں پر حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، اور حضرت مریمؑ کی تصویریں بھی تھیں۔ اس لئے کعبہ عرب یہودیوں، اسماعیلی عربوں اور عیسائیوں کے لئے بھی مرجع القلوب سمجھا جاتا تھا۔

حج کعبہ:

گوتمام عرب میں مقامی بت خانے تھے۔ جہاں مراسم ادا ہوتے تھے، اور مقامی میلے بھی لگتے تھے لیکن تمام ملک کا سالانہ اجتماع صرف مکہ ہی کی سرزمین میں ہوتا تھا۔ ملک کے ہر

گوشے سے لوگ یہاں یکجا ہوتے تھے۔یمن سے شام اور شام سے یمن کی سمت جانے والے تجارتی قافلے بھی حج کے موقع پر یہاں اکھٹے ہو جاتے۔عہد قدیم سے ہی کعبہ ایک عظیم سالانہ زیارت اور اجتماع کا مرکز بن چکا تھا۔جس میں خطۂ عرب کا ہر قبیلہ حصہ لیتا تھا۔ اتنے بڑے اجتماع کو پر امن رکھنے کے لئے ماہ ذوالحج (جو ہمیشہ موسم بہار میں ہوتا، اور جس میں یہ اجتماع ہوتا تھا)، اور اس کے علاوہ اس سے پہلے والے ماہ ذوالقعد اور بعد والے ماہ محرم کو یعنی تین مہینوں کو مقدس قرار دے دیا گیا تھا جن میں خون ریزی نہیں کی جاسکتی تھی۔ تین ماہ کا یہ عرصہ عرب کے ہر گوشہ سے آنے اور واپس جانے کے لئے کافی تھا۔مکہ کے آس پاس کے علاقہ کو بھی حرام قرار دے دیا گیا تھا۔اور لوگ اس کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے اپنے ہتھیار اتار دیتے تھے۔اس سالانہ زیارت اور اجتماع کو حج کہا جاتا تھا۔اس اجتماع کے دوران تجارت معاہدے اور رشتے ناطے بھی ہوا کرتے۔

طواف: حج کے دوران زائرین کو کچھ مخصوص اعمال کرنا ہوتے تھے جو کئی دن جاری رہتے ، مثلا حدود مکہ میں داخل ہوتے ہی شکار، لڑائی، جھگڑا، عورت سے ملاپ وغیرہ ممنوع ہوجاتے۔کعبہ کا طواف کیا جاتا اور ایک کونے میں نصب شدہ حجرِ اسود کو بوسہ دیا جاتا۔

وقوفِ عرفات: اہم ترین رکن ۹ ذوالحج کو جبلِ عرفات (آجکل جبلِ رحمت) کی زیارت تھا۔زائرین ملحقہ میدان میں اکھٹے ہوجاتے۔اور غروب آفتاب تک وہاں قیام کرتے جسے وقوفِ عرفات کہا جاتا۔اس کے بعد لوگ مزدلفہ جاتے۔یہاں لوگ رات کو قیام کرتے اور صبح ہوتے ہی زائرین منیٰ کے میدان کو لوٹ جاتے جہاں جا کر وہ جانوروں کی قربانی کرتے۔ یہ قربانی کے جانور وہ اپنے ساتھ لائے ہوتے اور ان کو خوب سجایا گیا ہوتا۔منیٰ میں تین دن قیام کے دوران لوگ (شیطان سے منسوب) تین معینہ مقامات پر کنکریاں بھی پھینکتے۔یہ عمل حج کا لازمی حصہ تھا۔تین دن منیٰ میں قیام کے بعد قافلے کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔عورتیں بھی مردوں کے شانہ بشانہ حج ادا کرتی تھیں۔ حج کو حضورؐ نے اسلام کے ایک رکن کی حیثیت سے برقرار رکھا۔اس کے ارکان میں کچھ

بنیادی ترامیم اور اصلاحات فرمائیں جن کا بنیادی مقصد اس مبارک اجتماع کا بت پرستی سے تعلق توڑنا تھا۔ اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ”حج اس طرح کرو جس طرح مجھے کرتے دیکھا ہے“۔

مناۃ کا حج:

بیت اللہ شریف کے حج کے علاوہ، مکہ اور مدینہ کے درمیان قدید کے مقام پر نصب بت مناۃ کا بھی حج کیا جاتا۔ اوس، خزرج اور بنو خزاعہ کے لوگ تو اس کے بہت معتقد تھے۔ حج بیت اللہ اور عرفات و منیٰ سے فارغ ہوتے ہی مناۃ کے پاس جا کر اس کا حج اور طواف کیا جاتا اور قربانیاں کی جاتیں۔ جو لوگ اس دوسرے حج کی نیت کر لیتے وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے۔

مذاہب

طلوعِ اسلام سے پیشتر، خطۂ عرب میں مذہب کی ابتدائی اشکال (۱) گزرے ہوئے نیک لوگوں کی پرستش (۲) Forces of Nature کی پرستش اور (۳) ستارہ پرستی موجود تھیں۔ شرک کے علاوہ، حنیفیت، صابئیت، مجوسیت، یہودیت، اور عیسائیت کے پیرو کار بھی خطۂ عرب میں موجود تھے۔

ملحد اور دہریے بھی آباد تھے جو حیات و موت کو اتفاق سمجھتے۔ خدا کی ہستی کا اقرار اور جزا و سزا کا تصور ان کے نزدیک قابلِ تمسخر خیال تھا۔

شرک:

قدیم اشعار، قرآنی آیات، اور بعد کے اسلامی لٹریچر سے واضح ہوتا ہے کہ قدیم عرب میں بالعموم کئی دیوتاؤں اور بتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ ان کا عام قومی مذہب ستاروں اور روحوں کے خیالی مجسموں کی پرستش تھا۔ لیکن وہ ہر قسم کے دیوتاؤں اور دیویوں کے قائل تھے۔ بتوں کو سجدہ کرتے تھے، جنات کے علاوہ فرشتوں کو نذر چڑھاتے تھے۔ ہر قبیلہ کا اپنا خدا ہوتا جو عقیدت کا محور اور مذہبی رسومات کا مرکز ہوتا۔ تاہم ایک قوتِ عظیم کے وجود سے بے خبر نہ تھے، جس کو وہ اللہ کہتے تھے۔ آسمان اور زمین کی پیدائش اور اس کارخانۂ فطرت کے اور

بڑے بڑے کام اسی کے دست قدرت کا نتیجہ سمجھتے تھے۔شعراء جاہلیت کے کلام میں اللہ کا نام بکثرت آتا ہے۔اور اسی کی طرف تمام افعال منسوب ہوتے ہیں۔ خطرہ یا تکلیف کے وقت وہ اللہ ہی کو پکارتے اگرچہ خطرہ ٹلتے ہی اللہ کو طاق میں رکھ دیتے۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ ساتھ اس کے متعدد نائب خداؤں کے بھی قائل اور پیروکار تھے۔ان بتوں، دیوتاؤں اور فرشتوں کو اللہ کے عزیز و اقارب یا اس کی بارگاہ کے مقرب درباری سمجھتے تھے۔اور ان کی پرستش اور عبادت اس لئے کرتے تاکہ وہ خوش ہو کر اللہ کو ان سے راضی رکھیں۔ ان کا تصور تھا کہ ان کے یہ خدا اللہ کے ہاں ان کی سفارش کرتے ہیں اور، ان کے اور اللہ کے درمیان وسیلہ ہیں۔عرب کے مشہور بت لات، وَد، یغوث وغیرہ پہلے زمانہ کے نیک بزرگوں کے ہی نام تھے۔بعد میں اہل عرب ان کی نیکی اور بزرگی کی وجہ سے ان کی مورتیاں اور تصویریں بنا کر پوجنے لگ گئے۔ بتوں کا رواج، اور اکثر بت، شام کے علاقہ سے لا کر خانہ کعبہ اور اطراف مکہ میں پھیلا دیئے گئے تھے۔مشرکین عرب اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے، وہی دن نکالتا اور رات لاتا ہے اور اسی نے آفتاب و ماہتاب کو وجود بخشا ہے۔ان میں سے کسی کا بھی عقیدہ نہیں تھا کہ یہ کام لات، منات، عزیٰ یا کسی اور دیوتا کے ہیں۔لیکن ان میں یہ غلط عقیدہ جڑ پکڑ گیا تھا کہ یہ بت مہربار ہیں تو اللہ ان سے خوش رہتا ہے۔

بت (اصنام):

بت پرست عرب جن بے شمار دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے ان میں سے کچھ بت محض تصوراتی ہیولیٰ ہوتے، مثلاً جَد (یعنی قسمت)، رضا (یعنی حمایت)، وَد (یعنی دوستی)، یا مناف (یعنی سربلندی یا بلند مقام)۔ ان کی پوجا باقاعدہ بت بنا کر کی جاتی تھی۔کچھ بتوں کے نام ان مقامات سے منسوب تھے جہاں ان کی پرستش کی جاتی تھی۔مثلاً ذوالخلاصہ،۔ یہ سفید سنگ مرمر کا بت تھا جس کے سر پر پھولوں کی شکل کا ایک تاج بنایا گیا تھا۔اس کا ہیکل مکہ سے سات منزل جنوب کی طرف واقع تھا۔فتح مکہ کے بعد حضورؐ کے حکم سے اسے جلا دیا گیا تھا۔اجرام فلکی یا مظاہر قدرت کے بتوں کا قدیم عرب میں خاص مقام تھا۔جیسے کہ شمس (سورج دیوتا) کا معبد بھی ہوتا اور بت بھی۔اور بہت سے قبائل اس کے پجاری ہوتے۔

ملک کے اکثر علاقوں میں عبدالشمّس نام پایا جاتا تھا۔ بارش کی دیوی کا نام ثریا تھا۔ آفتاب ومہتاب کی پرستش کا بہت رواج تھا۔ بہت سے بتوں کے نام سے ہی ان کی اہمیت واضح تھی۔ الما لک یعنی بادشاہ، یا بعل یعنی آقا۔ ایک دیوی العزیٰ یعنی سب سے زور آور، کی بہت عظمت مانی جاتی تھی۔ یہ بت ایک چار دیواری میں ایک درخت کے نیچے نصب تھا۔ جس کا ہیکل مکہ سے چند میل دور، نخلہ کے مقام پر تھا۔ بعل کا بڑا سا بت قصی بن کلاب بعثتِ نبوی سے ڈیڑھ سو سال پہلے شام سے لایا تھا۔ اور مکہ کے شمالی جانب مرکزیت کی علامت کے طور پر نصب کروادیا تھا۔ تین دیویوں کو نسبتاً زیادہ تقدس حاصل تھا۔ اوران تینوں (لات، منات، اور عزیٰ) کو اللہ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔ لات ایک گول سفید پتھر تھا۔ اس پر ایک عمارت بنی ہوئی تھی اور اس کا ہیکل طائف میں تھا۔ منات قربانی کا دیوتا تھا۔ اس کا نام منیٰ سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب ہے بہانا۔ اسی سے میدان منیٰ کا نام ماخوذ ہے۔ جو قربانی یا خون بہانے کی جگہ ہے۔ سب سے بڑا بت یا دیوتا ہبل تھا جو خانہ کعبہ میں نصب تھا۔ یہ ان گھڑ پتھر بھی ہوتے اور قدرے مہارت سے تراشے ہوئے بھی۔ ان کو صنم کہا جاتا۔ ان کو گھروں کے علاوہ معبد میں رکھا جاتا اور وہیں نذر نیاز اور قربانی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان دیوی دیوتاؤں کے مظاہر کے طور پر انھوں نے لکڑی اور پتھر کے بت بنا رکھے تھے۔ ان کے آگے فال کے پانسے ڈالتے اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے۔ درختوں کی پوجا کے شواہد بھی ملتے ہیں۔ یہی عقیدہ، یعنی اللہ کے اختیارات میں کسی نائب کو شریک کرنا ہی شرک ہے۔ اسلام اسی شرک کو مٹانے آیا۔ اور داعیِ اسلام نے اسی تصورِ شرک کو ناقابل معافی گناہ قرار دیا۔ اور شرک کی شدید ترین ممانعت کردی۔

معبد اور کاہن:

مصریوں اور یونانیوں کے برعکس، عربوں کے معبد سادہ عمارتیں ہوتی تھیں۔ بعض اوقات صرف ایک چار دیواری حتی کہ محض ایک دیوار ہی پتھروں سے چن دی جاتی۔ یہ عمارت خود بھی محترم ہوتی اور بسا اوقات اس کے آس پاس کی جگہ بھی محترم ہوتی۔ بعض بڑے معبدوں میں پجاری بھی ہوتے جو دیکھ بھال کے علاوہ زائرین کو پوجا کرواتے۔ یہ پجاری نسلاً بعد

نسلاً ایک ہی خاندان سے چلے آتے۔ ان پجاریوں کو کاہن بھی کہا جاتا۔ عام طور پر ان خاندانوں کو دیوتا کے پیارے سمجھا جاتا۔ اور یہ مافوق الفطرت صلاحیت کے ملک سمجھے جاتے۔ قسمت کا حال بتاتے، منتروں کے وظائف بتاتے، واقعات کی پیش گوئی کرتے اور دم وغیرہ کرتے۔ اکا دکا عورت کاہن بھی پائی جاتی تھی۔ (ذرا آج کے حال پر بھی غور فرمایئے)۔ عربوں کی روایات میں کاہنوں کی داستانوں اور ان کے اقوال زریں خوب مشہور تھے۔ یہ نثری نظمیں دلچسپ الفاظ پر مشتمل، اور سٹائل میں دلفریب ہوتی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے جامع فقرے، جن کا مقطع ہم وزن ہوتا۔ شروع شروع میں وحی کا بھی یہی سٹائل تھا۔ (جیسے کہ قرآن پاک کی آخری سورتیں)۔ لیکن بلندیٔ مضامین کاہنوں کی عامیانہ سطح سے کہیں برتر تھی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اسی وجہ سے کفار نے آپ کو کاہن بھی کہا جس کی خدا اور حضورؐ نے سختی سے تردید کی۔ ایک اور مماثلت بھی توجہ کے لائق ہے۔ کاہنوں کے اقوال بالعموم کسی قسم سے شروع ہوتے تھے جیسے، قسم ہے زمین کی، قسم ہے آسمان کی، قسم ہے سورج کی، حتی کہ روشنی، تاریکی، درخت، یا کسی جانور کی، کفار مکہ قرآن پاک میں ایسے طرز بیان کو بھی کہانت سے تعبیر کرتے۔ جس کی اللہ تعالیٰ اور حضورؐ نے سختی سے تردید کی ہے۔

صابئیت:

صابئیت یعنی ستارہ پرستی زیادہ تر جنوبی علاقوں اور اہلِ یمن میں نظر آتی تھی اور کسی قدر شمالی علاقوں میں بھی۔ یہ قدیم مذہب یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور مشرکانہ عقائد سے بالکل الگ اور مختلف تھا۔ یہ لوگ توحید کے قائل تھے۔ اور تاثیرِ کواکب کے قائل تھے۔ خدا اور بندوں کے درمیان ستاروں کو رابطہ سمجھتے تھے۔ اور ان کو پوجتے تاکہ وہ خوش رہیں۔ (ان کے برعکس حنفی رسالت کے قائل اور صاحب رسالت ہی کو خدا اور انسان کے درمیان رابطہ سمجھتے تھے)۔ توحید کے مسائل ان کے ہاں بہت مضبوط تھے۔ لیکن رسالت کے منکر تھے۔ حضرت ابراہیمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک سب کو جھوٹے سمجھتے تھے۔ صرف حضرت یحییٰؑ بن ذکریاؑ کو سچے پیغمبر سمجھتے تھے جن کو یہودیوں نے قتل کر دیا۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ کسی قتل کی

پاداش میں یہودی زمین پر پراگندہ کردیئے گئے۔ یہ لوگ روزانہ تین وقت ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔یعنی صبح طلوع آفتاب تک۔دوپہر کو عین زوال کے وقت اور شام کو غروب آفتاب سے عین قبل۔(یہی وجہ ہے کہ ان تین اوقات میں اسلام میں نماز ممنوع ہے تا کہ مماثلت نہ پیدا ہو)۔ ہر نماز کی پانچ رکعت ہوتی اور ہر رکعت میں تین سجدے۔قطبی ستارہ چونکہ ہمیشہ قطب شمالی کیطرف ہی رہتا ہے۔اور اپنی جگہ تبدیل نہیں کرتا۔اسی لئے اسی کی طرف منہ کرکے نماز، دعائیں اور مناجات پڑھتے تھے۔دن میں 3 مرتبہ ہر نماز کے لئے ان کو غسل کرنا پڑتا۔ یہ لوگ سال کے مختلف ایام میں کل ملا کر 28 روزے رکھتے۔لیکن روزہ کا مطلب صرف آرام تھا۔فاقہ سخت ممنوع تھا۔۔ یہ لوگ قربانی کثرت سے کرتے لیکن گوشت نہیں کھاتے تھے بلکہ جلا دیتے تھے۔صابیعت کا مولد بابل (عراق) ہے۔ جہاں ستارہ پرستی مدتِ مدید سے جاری تھی۔اہل دمشق کا مذہب بھی عیسائیت سے پہلے یہی تھا۔چونکہ ان کی نماز کا قبلہ قطب شمالی تھا۔اس لئے دمشق میں بہت سی کہنہ مساجد ایسی ہیں جن کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف بھی تھا۔دمشق کی جامع مسجد کے نیچے ایک بڑا معبد ہے جس کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف ہے۔ یہ ان ہی لوگوں کا معبد تھا۔معلوم ہوتا ہے کہ دمشق کی اسلامی سلطنت میں بھی یہ لوگ اعلیٰ عہدوں پر رہے ہیں۔ کچھ صابعین بغداد میں بھی طبیب یا منشی رہے۔آج کل یہ کالعدم ہیں۔

مجوسیت

خطۂ عرب میں یہ قدیم ایرانی آتش پرست مذہب صرف مشرقی علاقوں اور وہ بھی خال خال پایا جاتا تھا۔اس کا بانی زرتشت تھا۔ یہ لوگ خود کو مجوسی نہیں کہتے۔ بلکہ فارسی میں مَغ کہتے۔ مجوسی کا لفظ یونانی سے عرب میں درآیا تھا۔زرتشت خود توحید کا قائل تھا لیکن ان کے مذہب و اخلاق کو مزدک کی گمراہیوں نے بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا، حتیٰ کہ سگی بہن سے نکاح تک ان میں رواج پا گیا تھا۔ یہ لوگ ''آہورمزدا'' کو خدائے واحد مانتے ہیں اور اس کے ماتحت دو دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ایک ''یزدان'' جو روشنی نیکی اور خیر کا خدا ہے۔اور دوسرا ''اہرمن'' جو ظلمت اور شر کا خدا ہے۔اس مذہب کا وجود خطۂ عرب میں بس برائے نام ہی تھا۔

دہریت:

عربوں میں ایک تعداد دہریوں کی بھی تھی ۔ یہ اللہ بلکہ کسی بھی خالق کے قائل نہیں ۔ یہ کہتے تھے " زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہے ۔ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی چیز ہلاک نہیں کرتی " (القرآن) ۔کہتے کہ اشیاء کی کوئی ابتدا نہیں ۔اشیاء صرف قوت سے فعل کی طرف نکل کر آتی ہیں ۔لہٰذا جو چیز پہلے باالقوۃ ہو جب وہ فعل کی طرف نکل کر آ جائے تو اشیاء کے مرکبات خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں کسی اور چیز سے پیدا نہیں ہوتے ۔ جہان ازل سے ہے اور اسی طرح ابد تک چلتا رہے گا ۔اس میں نہ تغیر پیدا ہوگا نہ زوال ۔ یہ جہان خود ہی ان اجزا کو جو اس کے اندر ہیں، مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے ۔(بلوغ الادب)خطۂ عرب میں ان کی تعداد قابلِ لحاظ نہیں تھی لیکن موجود تھے ۔

عیسائیت

ایک اور مذہب جو عربوں کی بت پرستی کا مخالف تھا ۔وہ تھی عیسائیت ۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ عیسائیت کب اور کہاں سے عرب میں داخل ہوئی البتہ یہ پتہ لگتا ہے کہ مصر میں جو روم کی عیسائی حکومت قائم تھی وہ جب افریقی ساحلوں تک پہنچی تو 330 عیسوی کے لگ بھگ وہاں سے یمن میں بھی سرایت کرنے لگی ۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ عیسائیت جنوبی عرب میں بالخصوص اور پورے عرب میں بالعموم ، حضورؐ کی بعثت کے وقت معروف و موجود تھی ۔ کہا جاتا ہے کہ جنوبی علاقہ نجران میں عیسائی شام سے آ کر آباد ہوئے ۔اور حموررابی بادشاہ ذونواس کے شدید ظلم کے باوجود اس کی جڑیں کمزور نہیں ہوئی تھیں ۔ ذونواس کے زوال کے بعد بھی عیسائی موجود تھے ۔حضرت خدیجہ الکبرٰی کے کزن ورقہ بن نوفل بھی عیسائی راہب تھے ۔شام کی سرحد کے قریب وادیٔ فرات اور غسان میں بھی کچھ عیسائی قبائل موجود تھے ۔ یہ عیسائی بالعموم عباداللہ (اللہ کے غلام) کے نام سے معروف تھے ۔ان کی وجہ سے عربوں میں عیسائیت اور وحدانیت قدرے سرائیت کر چکی تھی ۔ نہ جانے کیوں ، اہل عرب کو بالعموم حضرت عیسیٰؑ سے الفت نہیں تھی ۔ یہاں تک کہ قرآن حکیم میں بھی جب ابن مریم کا بیان ہوتا تو وہ بھڑک اٹھتے کہ عیسائیوں کے خدا کا بیٹا ہمارے دیوتاؤں سے کس بات میں اچھا ہے ۔

یہودیت

طلوعِ اسلام سے قبل کی صدی میں عرب میں بت پرستی کے علاوہ یہودیت کے پیروکار بھی قابل لحاظ تعداد میں موجود تھے۔ فلسطین پر ٹوٹنے والی ہر آفت کے نتیجہ یہودی مہاجرین کا ایک نیا ریلا عرب میں آداخل ہوتا۔ بعض اوقات یہ لوگ یمن تک جا پہنچتے۔ سن 70 عیسویں میں ٹائٹس کے فلسطین پر قبضہ کرنے کے بعد یہودی مہاجرین مدینہ میں آکر آباد ہو گئے۔ اور خوب پھلے پھولے۔ یثرب سے شام تک اکثر سرسبز مقامات یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ حجاز کے دیگر شمالی علاقوں میں بھی یہودی آباد تھے۔ حضورؐ کے عہد میں تین بڑے یہودی قبائل، بنونظیر، بنوقریظہ، اور بنوقینقاع اور اہل خیبر مدینہ کے مضافات میں رہتے تھے، اور وہاں کی سیاسی صورتحال میں خاصی موثر حیثیت کے حامل تھے۔ ان آبادیوں میں ان کے اپنے علماء اور عبادت گاہیں تھیں۔ یہاں انھوں نے ایک بیت المدارس بھی بنا رکھا تھا جہاں اپنی مذہبی کتابوں کا عربی ترجمہ کر کے عربوں کو سنایا کرتے تھے۔ یثرب میں یہودیوں کے مذہبی تقدس کا اتنا اثر تھا کہ اوس اور خزرج کے قبیلوں میں بھی (جو کہ قریش تھے) لوگ نذر مانتے کہ بچہ اگر زندہ رہا تو اس کو یہودی بنائے گیں۔ ان کی شاعری سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مقامی رشتہ داریوں کی وجہ سے عرب کلچر اور زبان میں گھل مل چکے تھے۔ البتہ وہ لوگ اپنے یہودی مذہب پر مضبوطی سے کاربند رہے۔ اور ان ہی کی وجہ سے عرب میں توحید کا تصور بھی دوبارہ کروٹیں لینے لگا تھا۔
تاہم بعثت کے وقت ہمسایہ قوموں کے اثر سے ان میں بت پرستی بھی قائم ہو چکی تھی۔

ملتِ حنیف:

اہل عرب کے نزدیک حنیف حضرت ابراہیمؑ کا لقب تھا اس لئے ان کے مذہب کا نام ملتِ حنیف معروف تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد اصلاً اسی دینِ ابراہیمی یا دینِ حنیف پر قائم تھی۔ خانہ کعبہ ان کے نزدیک بہت مقدس تھا۔ جب وہاں سے کسی اور مقام کے لئے چلنے لگتے تو تبرکاً یا رواجاً ایک پتھر ساتھ اٹھا لیتے۔ بعد میں آہستہ آہستہ خانہ کعبہ کا امتیاز اٹھ گیا۔ اور کوئی سا چکنا پتھر اٹھا کر اس کو بطور بت اپنے پاس رکھ لیتے۔ اسلام سے کچھ پہلے،

جب یہودی اور عیسائی مذہب عربوں میں فروغ پانے کے لئے ہر طرح سے کوشاں ہو رہے تھے، پرانے مذہب دین حنیف کو (جس کا صرف ڈھانچہ رہ گیا تھا) بعض نیک فطرت عربوں نے نئے سرے سے زندہ کرنا چاہا۔ چنانچہ طلوعِ اسلام سے پیشتر ہی خطہٗ عرب میں شرک کی جڑیں کمزور ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ بتوں کے بارے میں ان کا تصور تو موہوم تھا ہی، عرب کے مختلف علاقہ میں کئی ایسے لوگ بھی موجود تھے جو بت پرستی سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے تھے۔ دین حنیف والی وحدانیت پر کار بند ہونے لگے تھے۔ اور کسی بہتر قابل فہم عقیدہ کے متلاشی تھے۔ ایسے لوگ تعداد میں کافی تھے۔ اور یہ لوگ اپنے عقیدہ کو دین حنیف کہتے تھے لیکن ان لوگوں کو وحی کی رہنمائی حاصل نہ تھی۔ جو کہ مشیت ایزدی نے حضورؐ کے لئے مقدر کر رکھی تھی۔

اللہ خدائے برتر:

خطہٗ عرب کے لوگ بیشمار نائب خداؤں کی پوجا کے باوجود، ایک خدائے بزرگ و برتر کے پوری طرح قائل تھے جسے وہ اللہ کہتے تھے۔ شمالی عرب بالخصوص اور سارے خطہ عرب کی شاعری میں بالعموم اللہ کا لفظ بطور عظیم دیوتا کثرت سے استعمال ہوتا تھا۔ خود قرآن مجید نے بھی تصدیق کی ہے کہ وہ لوگ اللہ کو برتر و بالا اور عظیم ترین مانتے تھے۔ ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی معبودؤں کو مانتے تھے۔ نیک بزرگ لوگوں اور مظاہر قدرت کو اس کا شریک بناتے، ان کے بت بنا کر پوجتے اور ان سے مدد مانگتے۔ حضور اکرمؐ اور دین اسلام کی جنگ اسی کے خلاف تھی۔ یہ بات توجہ کے قابل ہے کہ وحدانیت کا درس دیتے وقت اسلام نے کسی نئے خدا کے وجود کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ بلکہ یہ تعلیم دی کہ صرف اللہ ہی بلاشرکت غیرے معبود ہے، اور واحد خدا ہے۔ وہی اللہ جس کو وہ لوگ پہلے ہی برتر و بالا مانتے تھے۔ اگر چہ خطہ عرب زیادہ تر شرک کی بدترین شکل کا پیرو کار تھا، تاہم چھٹی عیسوی تک یہود و نصاریٰ بھی عرب میں قدرے قدم جما چکے تھے اور اپنا اثر و رسوخ بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ بت پرستی سے بیزاری کا سلسلہ کسی حد تک شروع ہو چکا تھا دینِ حنیف کے پیرو کار بھی کروٹیں بدل رہے تھے۔ یا یوں کہیئے کہ مشیت بتدریج اسلام کے لئے زمین ہموار کرتی جا رہی تھی۔

طلوع بعثت کے وقت دیگر اقوامِ عالم کی حالت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے وقت یورپ میں جہالت اور زندگی کا دور دورہ تھا۔ انگلستان میں برٹن اور سیکسن وحشی آباد تھے۔ وہاں کے کچھ علاقوں میں بت پرستی ہوتی تھی۔ فرانس میں پا دریوں نے بہت سی بیہودگیاں روا کر رکھی تھیں، ہنگری انتہائی وحشی اور ناشائستہ قوم کے ہا تھوں میں تھا، ایران میں زرتشت جو آپ سے ۱۲ سو سال پہلے ہو گزرا تھا، اس کے پیرو مُزد کی غالب تھے جنہوں نے زن، زر، زمین کو وقفِ عام قرار دے دیا تھا، حضرت عیسیٰؑ کو پانچ سو سال ہو چکے تھے اور عیسائیت روم میں قدم جما چکی تھی ، ہندوستان میں گوتم بدھ کو گزرے ہزار سال ہو چکے تھے، ۲ صدی سے پرانوں کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اور حضورؐ کے وقت "بام مارگی" فرقی غالب تھا جو مندروں میں مرد عورت کے برہنہ بت رکھتے، عبادت خا نوں کے در و دیوار پر فحش تصاویر کندہ کرتے اور ان کی پرستش کرواتے تھے، چین میں اپنے بادشاہ کو آسمان کا فرزند سمجھا جاتا، ہر کام کے لئے علیحدہ بت مقرر تھے اور بتوں کو سزا دینا بھی بادشاہ ہی کے اختیار میں تھا۔ کنفیوشس آپ کی بعثت سے ۱۱۰۰ سال پہلے ہو گزرا تھا، اور اس کی تعلیمات کا مذہبی تقدس ماند پڑ چکا تھا۔ مسر میں عیسائیت زوروں پر تھی ، پادری مختلف فرقوں کی تشکیل، دوسرے فرقوں کی تکفیر اور ان کو قتل کرنے اور آگ میں جلانے کے فتوے دینے میں مصروف تھے۔ البتہ حضورؐ کے عالمِ شباب (۵۹۰ تا ۶۰۴ء) میں پاپائے روم گریگوری دی گریٹ بھی کلیسا میں علمی اور انتظامی اصلاحات میں مصروف رہا ہے۔ اس کی موت ۶۰۴ء میں ہوئی جب حضورؐ کی عمرِ عزیز ۳۳ برس تھی۔ اسی طرح عین بعثت کے مکی دور مین جاپان کے اندر بدھ مت کی ترویج شروع ہوئی اور ۲ھ میں یعنی ۶۲۴ء میں بالآخر بدھ مت جاپان کا سرکاری مذہب قرار پا گیا۔

طلوعِ اسلام

یہ تھے وہ حالات جن میں خالقِ کائنات نے بالآخر پورے عالم کے لئے اپنے آخری نبیؐ اور مکمل دین کو بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ وہ دینِ اسلام، جس نے مجوسیت کی سورج پرستی، شرک کی صنم پرستی، صابئیت کی ستارہ پرستی، یہودیوں کی تحریف شدہ کتب اور عیسائیوں کی تثلیث کی مکمل نفی کر کے صرف اللہ کے ایک معبودِ واحد ہونے کا تصور پختہ کر دیا۔ عقائد، معاملات اور اعمال کی تفصیلی تعلیم دی۔ عملی تربیت کی۔ اور قانون سازی کر دی تا کہ قیامت تک رہنمائی میسر رہے۔ اور ساتھ ہی یہ سرٹیفکیٹ جاری کر دیا ''ان الدین عند اللہ الاسلام''، اور، ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی''۔ دین اسلام نے شرک کی جڑ نظریاتی اور عملی طور اکھاڑ کر رکھ دی۔ تمام مذاہب کو ختم کر کے یہ حرفِ آخر نافذ کر دیا کہ'' قد جاء الحق و ذھق الباطل، انا لباطل کان ذھوقا''۔ اسلام ہی ایک بہترین معاشرتی دستور ہے جو تمام قبائل، اقوام، نسلوں اور رنگوں کی برابری کو تسلیم اور نافذ کرتا ہے۔ فرد کی آزادی، ملکیت کا حق، دفاع کا حق، عزت و ناموس کے تحفظ کا حق، تجارت کے آداب، ملکیت سے وراثت تک کے قوانین، غرض سانس لینے سے جان دینے تک ایک ایک قدم کی رہنمائی کرتا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ جو افراد، معاشرے اور قومیں اس نظام حیات پر عمل پیرا رہیں گے، وہی امن، عزت اور وقار کے ساتھ سرخرو رہیں گے۔ اور اس دین کے پہنچانے کے لئے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسی کامل و اکمل شخصیت کا انتخاب کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا باب

حضورِ اکرمؐ کی شخصی زندگی

لبوں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ بوسے نطق نے بڑھ کر مری زباں کے لیے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اشھد ان لاالہ الا اللہ واشھد ان محمدً عبدہ ورسولہ۔

تاریخِ انسانی میں ایک سے ایک بڑا آدمی پیدا ہوتا رہا۔ مذہبی اکابر، دینی پیشوا، اور انبیاء تشریف لاتے رہے۔جن کے احترام سے آج بھی سینے معمور ہیں۔لیکن ان تمام اکابر کی زندگیوں کے متعلق دنیا بہت کم جانتی ہے۔ ان کے معلوم احوال نہایت ناکافی اور نامکمل ہیں اور واقعات کی بہت سی کڑیاں گم ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰ، سکندر اعظم اور کنفیوشس کے حالات بھی اگرچہ کافی منصۂ شہود پر مذکور ہیں، تاہم کسی درجہ اختصار، ابہام اور انتشار کا شکار ہیں۔لیکن پوری انسانی تاریخ میں اگر کوئی زندگی پوری کی پوری سینوں اور تحریروں میں محفوظ ہے تو وہ خاتم النبیین رحمتہ العالمین کی مقدس زندگی ہے۔ پھر آنحضورؐ کی سوانح حیات جس احتیاط اور فرض شناسی کے ساتھ جمع کی گئی ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ رسول اللہؐ کے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے بات کرنے کھانا کھانے کی ایک ایک ادا کو امت نے محفوظ کر رکھا ہے۔صوم وصلوٰۃ سے لیکر میدانِ جنگ تک حضورؐ کے ہر قول اور گفتار و کردار کو صحابہ کرامؓ نے لوحِ قلب اور دماغ میں نقل کیا، اور دوسروں تک کمال احتیاط اور دانش کے ساتھ پہنچایا ہے۔آپؐ نے کسی صحابی کا نام بدلا، کوئی بات کہہ کر حضورؐ خود مسکرائے، یا کسی دینی معاملے پر خفگی کا اظہار فرمایا، غرض خلوت اور جلوت کی تمام جزئیات محفوظ ہیں۔

نسبِ عالی

اہلِ عرب سام ابنِ نوح کی اولاد ہیں اور ان میں سے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہاشمی قبیلہ میں حضورؐ تشریف آور ہوئے۔ یہ ہاشمی قبیلہ نہ صرف قریش بلکہ دیگر تمام عرب قبائل میں ممتاز اور افضل تھا۔ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت عطا فرمائی۔ یہ یمن سے شام تک پورے خطہءعرب میں پھیل گئے۔ اور بحرِ ہند اور بحرِ احمر جیسے تمدنی وتجارتی ساحل ان کے قبضہ میں آ گئے۔ اسی نسل میں فہر پیدا ہوئے جن کا لقب قریش تھا۔ یہ بہت زیرک اور شجاع تھے۔ ان کی ساتویں نسل میں کلاب کے گھر قصی پیدا ہوئے۔ قبیلہءقریش میں یہ پہلا شخص ہے جس نے عربوں کو چھ سو برس کی ذلت وخواری کے بعد مکہ میں باقاعدہ ایک ریاست کا مالک بنایا جس کا انتظام جمہوری اصولوں پر ہوتا تھا۔ اس طرح قصی بن کلاب قریش کے پہلے واجب الاطاعت سردار بنے۔ قصی کے پوتے ہاشم کی اولاد ہاشمی کہلائی۔ جنابِ ہاشم، حسینِ، مدبر اور صالح سردار تھے۔ مگر ہاشم کا بھتیجا اُمیہ نہ جانے کیوں اپنے چچا سے حسد کرتا تھا۔ اسی حسد ورقابت میں ہاشم سے ایک مقابلہ میں ہار جانے پر اسے دس برس کے لئے جلاوطن بھی رہنا پڑا۔ ہاشم نے ہی تجارتی قافلے سال میں دو مرتبہ باہر لے جانے کی روایت ڈالی تھی۔ ہاشم سفرِ شام کے دوران وفات پا گئے تو آپ کا بیٹا شیبہ اپنے چچا مطلب کے ہاں پروان چڑھا اور اسی لیے عبدالمطلب کہلایا۔ اِنہیں عبدالمطلب کے چھوٹے فرزند عبداللہ کے گھر میں دونوں جہانوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہِ وسلم ۹ (یا ۱۲) ربیع الاول عام الفیل کو پیدا ہوئے۔

خانوادہِ رسول ﷺ

آپؐ کے ۹ چچا تھے۔ جن میں سے ۲، حضرت حمزہ اور حضرت عباس نے اسلام قبول کیا تھا۔ ۶ پھوپھیاں تھیں جن میں صرف ایک، حضرت صفیہ نے اسلام قبول کیا۔ حضورؐ کی ۱۱ ازواج اور ۲ باندیاں مذکور ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اپنی زندگی میں ۲۵ برس تک اکیلی زوجہ رہیں۔ ان کی وفات کے بعد حضورؐ کے نکاح میں ۱۲ ازواج آئیں جن میں سے ۲، حضرت ریحانہ اور حضرت ماریہ قبطیہ کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ باندیاں ہیں۔ ان ۱۳ میں سے صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ماریہ قبطیہ کنواری تھیں۔ باقی سب مطلقہ یا بیوہ تھیں۔

عین عالم شباب میں، ۲۵ سال کی عمر میں ۴۰ سالہ بیوہ کے ساتھ نکاح کرنے سے دشمنوں کا اعتراض خود ہی پامال ہو جاتا ہے کہ شادیوں کا محرک جنسی جذبہ تھا۔ ۵۰ سال عمر تک کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ آپ کی جوانی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزر گئی جو آپ سے عمر میں دوگنی تھیں اور دو بار بیوہ ہو چکی تھیں۔ ۵۰ سال عمر کے بعد بھی سوائے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ماریہ قبطیہ کے ساری ازواج مطہرات یا تو بیوہ تھیں یا مطلقہ۔ دراصل آپؐ نے سب کو سہارا دیا۔ عرب میں بیواؤں سے شادی نہ کرنے کا سختی سے رواج تھا اور جن عورتوں کے شوہر مر جاتے ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے تھے۔ آپؐ نے اس بری رسم کے نہ صرف بندھن توڑ دیئے بلکہ آپؐ نے مختلف قبائل کے ساتھ رشتہ داری کر کے انکی حمایت بھی حاصل کی کیونکہ عربوں میں دامادی کا رشتہ مختلف قبائل کے درمیان قربت کا اہم ذریعہ تھا۔ ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ حضورؐ کی نجی زندگی کے حالات ان ازواج مطہراتؓ کے ذریعہ تفصیل سے اُمت تک پہنچے۔

امہات المومنین

نمبر شمار	سنہ نکاح	نام زوجہ مطہرہ	قبیلہ	کیفت بوقت نکاح	عمر بوقت نکاح	عمر مبارک حضورؐ
۱	۱۵ قبل نبوۃ	حضرت خدیجہ	قریش	بیوہ	۴۰	۲۵
۲	۱۰ نبوی	حضرت سَودہ	قریش	بیوہ	۳۰	۵۰
۳	۱۰ نبوی	حضرت عائشہ بنت ابوبکر	قریش	کنواری	۹ یا ۱۰	۵۰
۴	۲ھ	حضرت حفصہ بنت عمر	قریش	بیوہ	۱۸	۵۵
۵	۳ھ	حضرت زینب ام المساکین	قریش	بیوہ	۳۰	۵۶
۶	۴ھ	حضرت ام سلمہ	قریش	بیوہ	۲۹	۵۷
۷	۵ھ	حضرت زینب بنت جحش	قریش	مطلقہ	۳۸	۵۸
۸	۵ھ	حضرت جویریہ	بنو مصطلق یہود	بیوہ	۲۰	۵۸
باندی	۶ھ	حضرت ریحانہ	بنو قریظہ یہود	مطلقہ	۲۰	۵۹
باندی	۶ھ	حضرت ماریہ قبطیہ	مصری	کنواری	۲۰	۵۹
۹	۶ھ	حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان	قریش	بیوہ	۳۵	۵۹
۱۰	۷ھ	حضرت صفیہ بنت حُیی	بنو نضیر یہود	بیوہ	۱۷	۶۰
۱۱	۷ھ	حضرت میمونہ	بنو عامر	بیوہ	۲۷	۶۰

(نوٹ) حضرت ریحانہ اور حضرت ماریہ کو سراری کہا جاتا ہے۔ (یعنی وہ کنیزیں جو ہمبستری کے لئے ہوں)۔ مولانا شوکت علی تھانوی اور مولانا مبارک پوری نے ابوعبیدہ کے حوالے سے حضرت جمیلہ اور مزید ایک اور باندی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جو حضرت زینب نے آپ کو ہبہ کردی تھی)۔

(1) حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ:

نبوت سے ۱۵ برس پہلے جب حضورؐ کی عمر مبارک ۲۵ برس تھی۔ تو آپ کے ساتھ نکاح ہوا۔ حضرت خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں اور بیوہ تھیں۔ حق مہر ۵۰۰ طلائی درہم مہر مقرر ہوا۔ ۲۵ برس بعد ۶۵ سال کی عمر میں مکہ میں ہی یعنی ہجرت سے ۳ سال پہلے انتقال فرمایا۔ اس وقت نمازِ جنازہ ابھی مشروع نہیں تھی۔ چنانچہ اسی طرح سپردِ خاک کی گئیں۔ آپ سب سے پہلی اسلام قبول کرنے والی خاتون تھیں۔ حضورؐ کے لئے آپ کی شخصیت کا وقار بہت بڑا سہارا تھا۔ اور سوائے ابراہیم کے ساری اولاد بھی ان ہی کے بطن سے تھی۔

(2) حضرت سودہ ؓ :

یہ ابتدائے نبوت میں ہی مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں۔ حضرت خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد سنہ ۱۰ نبوی میں حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ ۴۰۰ درہم مہر مقرر ہوا۔ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں۔ آپ نے حضرت خدیجہ ؓ کی تین غیر شادی شدہ بیٹیوں کی پرورش سنبھالی۔ (بڑی بیٹی زینب کی شادی ہو چکی تھی)۔ حضورؐ کے ۱۲ سال بعد سنہ ۲۲ ھ میں وفات پائی۔

(3) حضرت عائشہ صدیقہ ؓ:

حضرت ابو بکر کی دوسری بیٹی تھیں۔ حق مہر ۵۰۰ درہم مقرر ہوا سنہ ۱۰ نبوی میں کم سنی میں ہی آپؐ کے نکاح میں آئیں اور ۳ سال بعد مدینہ جا کر سنہ ۱ ھ میں رخصتی ہوئی تو حضورؐ کی عمر مبارک ۵۳ برس تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات سنہ ۵۷ ھ میں ہوئی، یعنی حضورؐ کے بعد ۴۷ برس زندہ رہیں وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۶۶ برس تھی۔ آپ حضورؐ کی مزاج شناس محبوب رفیقہِ حیات تھیں۔ آپ نے عائلی معاملات پر حضورؐ کی احادیث بالصراحت بیان فرمائی ہیں۔ آپ سے ۲۲۱۱ احادیث منقول ہیں۔

(4) حضرت حفصہ ؓ:

حضرت عمر بن الخطاب کی بیٹی تھیں۔ آپ کے مزاج میں حضرت عمر ؓ کی طرح قدرے تیزی تھی۔ ہجرت کے ۲ سال بعد ۱۸ برس کی عمر میں بیوہ ہو گئیں تو حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ اس وقت حضور کی عمر مبارک ۵۵ برس تھی۔ حضرت حفصہ نے حضورؐ کے ۳۵ برس بعد سنہ ۴۵ ھ میں بعمر ۶۰ برس وفات پائی۔ آپ سے نکاح میں خالص اسلامی اغراض اور دینی مصالح تھے۔

(5) حضرت زینب ؓ، ام المساکین:

ان کے شوہر عبداللہ بن جحش نے جنگ احد سنہ ۳ ھ میں شہادت پائی اور آنحضرتؐ نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے صرف ۲ یا ۳ مہینے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔ نکاح اور وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ برس تھی اور حضورؐ کی عمر مبارک ۵۶ برس تھی۔

(6) حضرت اُم سلمہؓ:

انھوں نے اپنے شوہر ابوسلمہ کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی ہجرت بھی کی۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والی سب سے پہلی خاتون تھیں۔ ان کے شوہر ابوسلمہ جنگ اُحد کے زخموں کی وجہ سے انتقال کر گئے تو سنہ ۴ھ میں حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ آپ نے حضورؐ کے ۵۳ سال بعد ۶۳ ہجری میں ۸۴ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ نے ازواج مطہرات میں سب سے بعد میں وفات پائی۔

(7) حضرت زینبؓ بنت جحش:

حضرت عبدالمطلب کی نواسی تھیں۔ یعنی حضورؐ کی پھوپھی زاد۔ آپ کا پہلا نکاح حضورؐ کے آزاد کردہ متبنّٰی زید بن حارثہ سے ہوا تھا، لیکن دونوں میں بن نہ سکی۔ ذیعقد ۵ھ میں ان سے طلاق کے بعد آپ کا نکاح حضورؐ سے ہوا۔ اس وقت اِن کی عمر ۳۸ برس تھی۔ آپ جمال میں بھی ممتاز اور حضور کو بہت محبوب تھیں۔ آپ نے ۵۳ برس کی عمر پائی۔ اور حضورؐ کے ۱۰ برس بعد ۲۰ھ میں وفات پائی۔ یہ نکاح ایک بس رسم کو مٹانے کے لئے کیا گیا کہ متبنّٰی کی بیوی نکاح میں نہیں آسکتی، اور نبیِ کریمؐ انہی بد رسوم کو مٹانے کے لئے مبعوث ہوئے۔

(8) حضرت جویریہؓ بنت حارث:

آپ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں اور سنہ ۵ھ میں جنگی قیدی بن کر آئیں تھیں۔ حضورؐ نے ان کی خاندانی نجابت کا خیال کرتے ہوئے ان کو آزاد کر کے خود ان سے نکاح کر لیا۔ اصل نام برّہ تھا۔ حضورؐ نے نکاح کے وقت نام تبدیل کر کے جویریہ رکھا۔ ان سے نکاح کے بعد حضورؐ نے ان کے قبیلہ کے سارے قیدی آزاد کر دیئے۔ جو ۱۰۰ سے زیادہ تھے۔ آپ نے حضورؐ کے ۴۰ سال بعد ۵۰ھ میں ۶۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ان کا باپ مشہور رہزن اور مسلمانوں کے ساتھ خاص عداوت رکھتا تھا۔ اس ترویج کے بعد مخالف جنگ میں کبھی شریک نہ ہوا بلکہ قذاقی چھوڑ کر متمدن زندگی اختیار کر لی۔

(9) حضرت ریحانہؓ:

سنہ ۶ ھ میں جب مسلمان بنی قریظہ پر غالب آئے تو جنگی قیدی بن کر آئیں بعض روایات کے مطابق آپؐ نے ان کو آزاد فرما کر ۱۲ اوقیہ سونا حق مہر کے عوض ان سے نکاح فرمایا۔ یہ آپؐ کی زندگی میں ہی وفات پا گئیں۔ ان کے حضورؐ کے ساتھ نکاح کے صرف دو مورخ یعنی ابنِ اسعد اور حافظ ابنِ حجر ہی قائل ہیں۔ ان دو کے سوا باقی تمام سیرت نگار اس بات کے قائل ہیں۔ کہ حضورؐ نے ان کو بطور مِلک اپنے حرم میں رکھا۔ اور نکاح نہیں کیا۔ علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی بھی ان کے نکاح کے قائل نہیں ہیں۔

(10) حضرت ماریہ قبطیہؓ:

آپ کو مصر کے حکمران نے بطور باندی سنہ ۶ ھ میں حضورؐ کی خدمت میں بھجوایا تھا۔ اس وقت آپ ۱۸ سال کی تھیں۔ آپ قبطی النسل مصری تھیں۔ ان کے بطن سے حضورؐ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے۔ جو جلد ہی وفات پا گئے۔

(11) حضرت ام حبیبہؓ:

یہ سردارِ قریش ابوسفیان کی بیٹی اور حضرت عثمان کی پھوپھی زاد تھیں۔ یہ سنہ ۶ ھ میں حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ ان کا پہلا نکاح عبداللہ سے ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ہجرت حبشہ میں شریک تھیں۔ عبداللہ وہاں جا کر عیسائی ہو گیا۔ اور ام حبیبہ اپنی معصوم بچی حبیبہ کے ساتھ غریب الدیار ہو گئیں۔ اس پر حضورؐ نے پیغام بھجوایا۔ تو نجاشی نے حضورؐ کی طرف سے خود ۴۰۰ دینار مہر ادا کر کے وکیل کے ذریعہ آپ کا نکاح منعقد کروایا۔ اور حضرت اُم حبیبہ کو آپؐ کے پاس بھجوا دیا۔ ان کی بیٹی حبیبہ حضورؐ کی سرپرستی ہی میں پروان چڑھیں۔ حضرت ام حبیبہ نے سنہ ۴۴ ھ میں بہ عمر ۷۳ برس مدینہ میں انتقال فرمایا۔ ان کا باپ ابوسفیان عمائدِ قریش میں سے تھا اور جنگ کا نشان اس کے گھر میں رکھا ہوا تھا اور جنگِ احد، حمراء لاسد، بدر لاخریٰ میں خاص طور پر یہی محرک اور قائد تھے۔ اس ترویج کے بعد کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف شامل نہیں ہوئے، بلکہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئے۔

(12) حضرت صفیہؓ بنت حُیی ابن اخطب:

سنہ ۷ ھ میں جنگ خیبر میں جنگی قیدی بن کر آئیں۔ یہ چونکہ یہود خیبر کے قائد کی بیٹی تھیں، اس لئے آپؐ نے ان کا فدیہ ادا کر کے انہیں آزاد فرمایا۔ اور خود نکاح کیا آپ نے حضورؐ کے ۴۰ برس بعد سنہ ۵۰ ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۰ برس تھی۔ شادی کے وقت ان کی عمر ۱۷ برس تھی۔ اور حضورؐ کی عمر مبارک ۵۸ برس تھی۔ حضورؐ کو آپ سے نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ اس نکاح سے پیشتر کفور کے مسلمانوں کے ساتھ جس قدر جنگ ہوئے، ان میں یہود کا اعلانیہ یا خفیہ تعلق ضرور ہوتا تھا۔ مگر تزویجِ صفیہ کے بعد یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے۔

(13) حضرت میمونہؓ بنت حارث:

ان کو اپنے خاوند سے سنہ ۷ ھ میں طلاق ہوئی تو حضورؐ کے عقد نکاح میں آئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۲۷ برس تھی اور حضورؐ اس وقت ۵۹ برس کے تھے۔ یہ آپؐ کی آخری منکوحہ تھیں۔ انہوں نے سنہ ۵۱ ھ میں بعمر ۷۱ برس وفات پائی۔ ان کی ایک بہن سردارِ نجد کے گھر میں تھی۔ اس نکاح سے پہلے اہلِ نجد نے ۷۰ واعظوں کو اپنے ملک میں لے جا کر غدر سے قتل کیا اور چند بار مزید نقصِ امن و فساد انگیزی بھی کی۔ اس نکاح نے ملک بھر میں صلح، امن اور اسلام پھیلانے میں بہترین نتائج پیدا کیے۔

آلِ رسولؐ

حضورؐ کی ۴ بیٹیاں تھیں۔ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت کلثومؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ۔ ان سب نے اسلام کا زمانہ پایا۔ اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئیں۔ بیٹوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دو بیٹوں حضرت قاسمؓ اور حضرت ابراہیمؓ پر سب سیرت نگار متفق ہیں۔ حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ سب حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطنِ مبارک سے تھے۔ حضرت طاہرؓ۔ حضرت طیبؓ۔ اور حضرت عبداللہؓ کا نام بھی ملتا ہے۔ مولانا شوکت علی تھانوی اور قاضی سلیمان منصور پوری کہتے ہیں کہ عبداللہؓ ہی کے لقب طاہرؓ اور طیبؓ تھے۔ سب سے پہلے حضرت قاسمؓ کی پیدائش ہوئی۔ غالباً نبوت سے ۱۱ برس پہلے۔ قاسم ۲ سال تک زندہ رہے۔ انکی نسبت سے آپ کی کنیت ابوالقاسم رائج ہوئی۔ حضورؐ کو یہ کنیت بہت پسند تھی اور آپؐ نے منع بھی فرما دیا کہ (ان کی زندگی میں) انکے علاوہ کوئی مسلمان یہ کنیت نہ رکھے۔ (البتہ اب آپ کی وفات کے بعد رکھنا جائز ہے)

حضرت زینبؓ:

بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ ان کی شادی ہجرت سے پہلے ان کے خالہ زاد ابوالعاص سے ہوئی۔ جنگ بدر کے بعد آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں۔ کچھ عرصہ بعد ابوالعاص گرفتار ہو کر مدینہ پہنچے تو اسلام قبول کر لیا، اور انہیں بغیر دوبارہ نکاح کئے، پہلے ہی نکاح میں اخصت کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ بہت کم عرصہ زندہ رہیں۔ اور سنہ ۷ ھ یا سنہ ۸ ھ میں انتقال فرما گئیں۔ ان کی بیٹی امامہ سے حضورؐ کو بہت محبت تھی نماز پڑھنے میں ساتھ رکھتے آپؐ نماز پڑھتے تو وہ آپؐ کے کندھوں پر سوار ہو جاتی۔ رکوع کے وقت آپؐ اتار دیتے، سجدے میں جاتے تو وہ پھر سوار ہو جاتیں۔ وہ حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت علیؓ کے نکاح میں بھی آئیں۔

حضرت رقیہؓ:

اِن کی شادی قبلِ نبوت ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوئی تھی۔ دعوتِ اسلام کے بعد ابولہب کے کہنے پر عتبہ نے رقیہ کو طلاق دے دی تو حضورؐ نے ان کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔ علالت کی وجہ سے فتح بدر کے دن وفات پائی۔ حضرت عثمانؓ اِنہیں کی علالت کے باعث جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت اُمّ کلثومؓ:

آپ کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہوئیں۔ سنہ ۳ ھ میں جنگ بدر کے بعد حضرت رقیہ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا گیا۔ نکاح کے چھ برس بعد سنہ ۹ ھ میں انتقال کیا، اور حضورؐ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ:

آپ کے سنِ ولادت میں اختلاف ہے۔ خیال ہے کہ نبوت کے ۱ سال بعد پیدا ہوئیں۔ سنہ ۲ ھ میں آپ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا۔ اس وقت سیدہ کی عمر ساڑھے پندرہ برس تھی۔ اور حضرت علیؓ کی عمر ساڑھے اکیس برس تھی۔ حضرت علیؓ نے اپنی زرہ حضرت عثمان کے ہاتھ ۴۸۰ درہم میں بیچی۔ اور قیمت لا کر حضورؐ کے سامنے مہر کے طور ڈال دی۔ آنحضرتؐ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔ نکاح ہوا اور آنحضرتؐ نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں، اور ایک مشک بھی دی۔ حضرت علیؓ الگ مکان لیکر حضرت فاطمہؓ کے ساتھ مقیم رہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی خانگی رنجش ہو جاتی تو حضورؐ دونوں میں صلح کروا دیتے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے دوسرا نکاح کرنا چاہا تو حضورؐ سخت برہم ہوئے۔ آپؐ نے مسجد میں خطبہ دیا اور کہا کہ میری بیٹی میرا جگر گوشہ ہے اگر اس کو دکھ پہنچے گا مجھے بھی تکلیف ہو گی۔ چنانچہ حضرت علیؓ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے رک گئے اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت فاطمہؓ کے پانچ بچے تھے۔ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت محسنؓ، حضرت ام

کلثومؓ، اور حضرت زینبؓ۔ حضرت محسنؓ بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ باقی چاروں اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخِ اسلام میں مشہور ہوئے۔ حضرت فاطمہؓ نے حضورؐ کی رحلت کے ٦ ماہ بعد انتقال فرمایا۔

حضرت ابراہیم

آنحضرتؐ کی آخری اولاد ہیں۔ ذوالحج ٨ھ میں حضرت ماریہ قبطیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ساتویں دن عقیقہ ہوا۔ حضورؐ نے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کی۔ اور اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر نام رکھا۔ ام سیف نے دودھ پلایا۔ آنحضرتؐ ام سیف کے گھر جا کر حضرت ابراہیم کو گود میں لیتے اور بوسہ دیتے۔ حضرت ابراہیم نے ام سیف ہی کے گھر 7 ماہ کی عمر میں وفات پائی۔ حضورؐ کو علم ہوا تو تشریف لے گئے۔ نزع کا عالم تھا گود میں اٹھالیا اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضورؐ نے خود جنازہ پڑھایا۔ عربوں کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند میں گرہن لگ جاتا ہے۔ اتفاق سے جس روز ابراہیم نے وفات پائی چاند میں گرہن لگ گیا تھا۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ یہ ابراہیم کی موت کا اثر ہے۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ”چاند اور سورج، اللہ کی دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت وحیات سے ان میں گرہن نہیں لگ سکتا“۔

حضورؐ کا حلیہ مبارک

آپؐ کا قد درمیانہ تھا۔نہ زیادہ طویل قامت تھے نہ کوتاہ۔ بال قدرے گھنگریالے تھے۔ چہرہ کسی قدر گول تھا لیکن رخسار زیادہ پُر گوشت نہ تھے۔آپ کا رنگ گورا گلابی تھا، نہ خالص سفید نہ گندمی۔آنکھیں سیاہ، فراخ، اور سرخی مائل سرمگین، پلکیں لمبی، اور، داڑھی گھنی تھی۔ سینہ پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر تھی لیکن باقی جسم بالوں سے خالی تھا۔سَر کے بال سیاہ گنگھریالے، لمبے، گھنے، اور دونوں کانوں کی لَو تک پہنچتے تھے۔شروع شروع میں بالوں میں مانگ نہیں نکالتے تھے لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے۔ بازو اور کندھوں پر بال تھے، اور دونوں کندھوں کے درمیان بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس مُہرِ نبوت تھی جو کبوتر کے انڈے جیسی تھی اور اس پر تِلوں کا جمگھٹ تھا۔ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں پُر گوشت تھیں۔ آپؐ کی ہتھیلیاں کشادہ اور ملائم تھیں، پنڈلیاں پتلی اور ایڑیاں باریک تھیں۔آپؐ چلتے تو قدرے جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے اور تیز رفتار سے چلتے تھے گویا کسی ڈھلوان پر چل رہے ہوں۔سامنے کے دونوں دانت الگ الگ تھے۔ناک اونچی تھی اور پیٹ سینہ سے آگے بڑھا ہوا نہیں تھا۔آپؐ کا سر بڑا تھا، چہرہ پاکیزہ، کشادہ، اور پُر ملاحت تھا۔ چمکتا رنگ، نہ توند نکلی ہوئی نہ چندیا کے بال گرے ہوئے۔زیبا، صاحبِ جمال ۔آواز میں قدرے بھاری پن، بلند گردن، تابناک چہرہ، باریک و پیوست ابرو۔ پسندیدہ خو، خاموش، باوقار، گویا دل بستگی لئے ہوئے۔ دور سے دیکھنے میں سب سے تابناک اور پُر جمال، قریب سے نہایت خوبصورت وحسین۔اجنبی آپ کو پہلی دفعہ دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، شناسا ہو جاتا تو محبت کرنے لگتا۔شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی وبیشیٔ الفاظ سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی۔تر وتازہ شاخ کی مانند خوش منظر۔ وفات کے وقت تک صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی آئی تھی، سَر کے چند بال سفید تھے اور ہونٹ کے نیچے داڑھی میں چند بال سفید ہوئے تھے۔

حضورؐ کا لباس

لباس میں آپؐ سفید کپڑے کا کرتا پسند فرماتے تھے جس کی آستین گٹے تک ہوتی تھی۔ ٹخنے ننگے رکھتے تھے۔ایک بار تنگ آستین کا رومی جُبہ بھی پہنا ہے۔آپ یمنی چادر پسند فرماتے تھے۔کبھی کبھی سیاہ اونی چادر بھی پہنتے۔آپؐ جب عمامہ پہنتے تھے تو شملہ دونوں شانوں کے درمیان چھوڑتے۔کبھی کبھی بغیر شملہ کے بھی عمامہ پہنتے۔آپؐ کے پاس دو سبز چادریں تھیں ایک سیاہ کھیس اور ایک سرخ دھاریوں والا کھیس بھی تھا۔سردی میں اکثر اوقات کمبل، موٹا کھیس، یا موٹی چادر پہنتے۔(حالانکہ صحابہ کو سونے کی تاروں والی دیبا کی قبائیں بھی تقسیم فرمائی ہیں)۔حضورؐ چمڑے کا جوتا پہنتے جس میں انگلیوں کے لئے دو تسمے ہوتے تھے۔ایک دوہرا تسمہ جوتے کی پشت پر بھی ہوتا۔آپؐ داہنے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی بھی پہنتے جس میں عقیق جڑا تھا۔بیت الخلاء جاتے وقت انگشتری نکال دیتے۔ مُہرِ نبوت والی انگوٹھی الگ محفوظ رکھی ہوتی۔

حضورؐ کے خدام

آپؐ کی ۱۰ خادمائیں رہیں، ۳۰ غلام رہے، ۸ گھریلو اور ذاتی خدمتگار رہے، اور ایک خاتون آپ کی انگوٹھی سنبھالنے پر مامور رہی۔(یہ سارے خدام بہ یک وقت موجود تھے یا انھوں نے مختلف اوقات میں خدمت کی؟ البتہ ان سب کے نام تاریخ میں ان خدمات کے حوالے سے محفوظ ہیں)

حضورؐ کے جانور

سواری میں آپؐ کے پاس سات گھوڑے تھے، پانچ خچر تھے، تین گدھے تھے، تین اونٹنیاں سواری کے لئے تھیں، اور ۴۵ اونٹنیاں دودھ دینے والی تھیں۔ ۱۰۰ بکریاں تھیں جن کی تعداد زیادہ نہ ہونے دیتے۔جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ایک بکری ذبح کر لیتے۔

اخلاقِ عالیہ

اخلاق کا تعلق مظاہرے سے نہیں معاملے سے ہے، اور حضورؐ نے فرمایا ''میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کرنے آیا ہوں،، اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف میں فرمایا: وَ اِنکَ علیٰ خُلقٍ عظیم (یقیناً آپ اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں)۔ آپؐ سب سے زیادہ جراٗت مند تھے اور سخاوت میں سب سے بڑھ کر تھے۔ فقر کا خوف کبھی دامنگیر نہیں ہوا۔ اور شجاعت ایسی کہ جب اچھے اچھے جانبازوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو آپؐ اپنی جگہ قائم رہے۔ نہایت نرم طبیعت، ہمیشہ سچ بولنے والے اور وعدے کے پکے تھے۔ آپؐ نہ ترش رُو تھے نہ لغو گو۔ آپؐ ہنستے تو صرف تبسم فرماتے۔ قہقہہ نہیں لگاتے تھے۔ بُردباری، قوتِ برداشت، درگزر، اور صبر آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھے۔ حتیٰ کہ دشمنوں کی اِیذا رسانی جتنی بڑھتی گئی، آپ کے صبر وحلم میں کمی کے بجائے اتنا ہی اضافہ ہوتا گیا۔ آپؐ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا۔ اگر غصہ آتا بھی تو جلد راضی ہو جاتے۔ آپؐ سب سے زیادہ حیادار اور پست نگاہ تھے۔ اپنی نظریں کسی کے چہرے پر گاڑتے نہیں تھے۔ جب آپکو کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرے سے پتہ چل جاتا۔ آپؐ کسی کو کوئی سخت بات منہ پر نہ کہتے۔ اگر کسی دوسرے کی کوئی ناگوار بات آپ کو معلوم ہو جاتی تو نام لے کر اُس کا ذِکر نہ کرتے، بلکہ یوں فرماتے کہ کیا بات ہے کچھ لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف توجہ کرتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ جب آپؐ خوش ہوتے تو چہرہ دمک اٹھتا اور جب غصہ آتا تو چہرہ سرخ ہو جاتا۔ آپ شروع ہی سے بلند ترین مرتبہ کے عادل، امین اور صادق تھے۔ حتیٰ کہ ایک بار ابوجہل نے بھی آپؐ سے کہا کہ ہم لوگ آپ کو جُھوٹا نہیں کہتے بلکہ آپ کے پیغامِ اسلام کو جھٹلاتے ہیں۔ آپ تکبر سے دُور رہتے اور صحابہء کرام کو اپنے سامنے کھڑے رہنے سے منع فرماتے۔ صحابہ میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح بیٹھتے تھے۔ مسکینوں کی بیمار پُرسی فرماتے، غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور غریبوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے۔ آپؐ کی گفتگو میں شائستگی اور شگفتگی ہوتی اور مطلب واضح ہوتا۔ الفاظ نکھرے نکھرے، فقرے واضح، اور، انداز بے تکلف ہوتا۔ آپؐ عرب کے ہر قبیلہ سے اُنہیں کی بامحاورہ زبان میں

گفتگو فرماتے۔ بلا ضرورت نہ بولتے، اور جب بات کرتے تو شروع سے آخر تک ہر لفظ واضح ادا فرماتے۔ جب اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے۔ ہر قوم یا قبیلہ کے معزز آدمی کی تکریم فرماتے۔ لوگوں کی شرارتوں اور فتنوں سے محتاط رہتے اور اِن سے بچاؤ اختیار فرماتے۔ کسی چیز کی مذمت نہیں فرماتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کا حال احوال دریافت فرماتے۔ غافل کبھی نہ ہوتے، ہمیشہ مستعد رہتے۔ اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مخصوص نہ فرماتے۔ مجلس میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے اور دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کی نصیحت فرماتے۔ آپ کی مجلس حِلم و حیا اور صبر و امانت کی مجلس ہوتی۔ وہاں نہ آوازیں بلند کی جاتیں، نہ گپ بازی ہوتی تھی، اور نہ ہی کسی کی عزت پر حرف آتا تھا۔ اگر کوئی بات کر رہا ہوتا تو کوئی دُوسرا اُس وقت تک منہ نہ کھولتا جب تک پہلا اپنی بات مکمل نہ کر لیتا۔ آپؐ کسی کو شرمندہ نہ کرتے اور کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے۔ آپؐ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اگر کوئی شخص نامناسب بات کرتا تو بس منہ پھیر لیتے۔ کسی کا نقص نہ نکالتے اور کسی کی مذمت نہ فرماتے۔ اپنے آپ کو نمائش اور ریاء سے، چیزوں کی کثرت سے، اور بے معنی باتوں سے بچا کر رکھتے۔ زیادہ غصہ نہ فرماتے۔ جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اُس کی طرف توجہ نہ فرماتے۔ آپؐ نرم خو تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ تشکر فرماتے تھے۔ کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے۔ کھانا جس قسم کا سامنے آجاتا تناول فرمالیتے تھے، نہ برائی کرتے نہ تعریف۔ کوئی اگر کسی امرِ حق کی مخالفت کرتا تو آپؐ کو غصہ آجاتا لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر آپؐ کو کبھی غصہ نہ آیا۔ اور نہ کسی سے کبھی کوئی انتقام لیا۔

انسان کے حالات کا واقف بیوی سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔ بعثت کے وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح کو ۱۵ سال بیت چکے تھے۔ وہ آپ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں ۔"خدا کی قسم، اللہ آپکو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، دردمندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں"۔

اب حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی روایات ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتی ہیں۔

☆ آپؐ کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے۔

☆ آپؐ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے اور معاف فرما دیتے تھے۔

☆ آپؐ کو جب دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تو وہ اختیار فرماتے جو آسان ہوتی، بشرطیکہ گناہ نہ ہو۔

☆ آپؐ نے کبھی کسی سے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔

☆ آپؐ نے نام لیکر کبھی کسی پر لعنت نہیں کی۔

☆ آپؐ نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت، اور کسی جانور کو ہاتھ سے نہیں مارا۔

☆ آپؐ نے کبھی کسی کی درخواست رد نہیں فرمائی جب تک وہ ناجائز نہ ہو۔

☆ آپؐ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو ہنستے اور مسکراتے ہوئے آتے۔

☆ آپؐ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔

☆ آپؐ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ اگر کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔

☆ آپؐ اپنے جوتے خود ٹانکتے، اپنے کپڑے خود سی لیتے، اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے حضرت علی ؓ سے حضورؐ کے اخلاق و عادات کے متعلق سوال کیا تو حضرت علیؓ نے بتایا کہ:

☆ آپؐ خندہ جبیں، نرم خو، مہرباں طبع تھے۔ سخت مزاج اور سنگدل نہ تھے۔

☆ بات بات پر غصہ نہیں کرتے تھے اور کوئی برا کلمہ منہ سے نہیں نکالتے تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپکو ناپسند ہوتی تو اغماض برتتے تھے۔

☆ کوئی آپؐ سے امید رکھتا تو آپ اس کو ناامید نہیں کرتے تھے۔

☆ مزاج شناس آپؐ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے۔

☆ آپؐ نے ۳ چیزیں اپنے نفس سے بالکل دور کر رکھی تھیں۔ ☆ بحث و مباحثہ

☆ ضرورت سے زیادہ بات کرنا ☆ جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا

☆ دوسروں کے بارے میں بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔

☆ کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔ ☆ کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے۔

☆ کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے.

☆ آپؐ بات صرف وہ کرتے جس کا کوئی مقصد یا نتیجہ نکل سکتا۔

☆ جب آپؐ کلام کرتے تو صحابہؓ ایسے خاموش ہو کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں

☆ لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے۔جن پر لوگ تعجب کرتے آپ بھی کرتے۔

☆ کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو فرماتا تو تحمل فرماتے۔

☆ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہ کرتے۔لیکن اگر کوئی احسان کا شکریہ ادا کرتا

تو قبول فرماتے۔

☆ جب تک خود بولنے والا چپ نہ ہو جاتا اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔

☆ نہایت فیاض۔نہایت راستگو۔نہایت نرم طبع۔اور نہایت خوش صحبت تھے۔

کامل شخصیت

ذکرِ حبیب ﷺ 91

امانت، دیانت، صداقت اور شجاعت آنحضور کی فطرتِ ثانیہ تھے۔ امانت دار ایسے تھے کہ مکہ کے مشرکوں کی امانتیں اس دن بھی آپ ہی کے پاس تھیں جس روز انہوں نے آپ کی جان لینے کا ارادہ کیا، اور حضور نے ہجرت فرمائی تو حضرت علی کو امانتوں کی پوری طرح تفصیل سمجھا کر گئے۔ دیانت کا یہ عالم تھا کہ کفارِ مکہ کی طرف سے تمام تر دشمنی کے باوجود بھی آپ کی دیانت پر کبھی انگلی نہیں اٹھائی گئی۔ صداقت اس سطح کی تھی کہ آپ نے دعوتِ اسلام دینے سے پہلے قریش سے اپنی صداقت کو علی الاعلان تصدیق چاہی تو انھوں نے بلا تامل شہادت دی کہ "ہم نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا" آپ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل کہا کرتا کہ محمد! میں آپ کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ آپ جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔ قبل از نبوت بھی آپ کی شخصیت کا وقار ایسا تھا کہ جب ابوجہل نے ایک تاجر کی رقم دبالی تو اس نے آپ کے پاس شکایت کی، اور آپ کے ایک دفعہ کہنے پر ابوجہل نے بے چون و چرا وہ رقم ادا کر دی۔

شجاعت کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ مدینہ میں خطرہ کا احساس ہونے پر کچھ لوگ پتہ لگانے کے لئے نکلے تو آپ کو تنِ تنہا گھوڑے پر سوار شہر میں واپس داخل ہوتے پایا، اور آپ نے سب کو تسلی دی کہ میں پتا لگا کر آ رہا ہوں، کوئی خطرہ نہیں آپ لوگ بے خطر گھروں کو واپس جائیں۔ آنحضورؐ بے خبر ملنگ یا درویش نہیں بلکہ ایک باخبر اور مستعد رہنما تھے جنہوں نے اپنی قوم کو ہر صورتِ حال میں بروقت اور موثر قیادت فراہم کی، اپنے اعلیٰ انسانی اوصاف و اقدار کی بنا پر قبل از نبوت بھی آپ ایک شریف، معزز اور معتبر شخصیت کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر دکھایا۔ آخری سانس تک آپ نے نمود و نمائش اور شان و شکوہ کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دی۔ ہاں عطر نہایت نفیس استعمال فرماتے۔ صبر و تحمل اور بد باری درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ گوشت آپکی زندگی میں استثنائی غذا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دامن کو جھوٹ، حرص و ہوا اور بے صبری جیسی کمزوریوں سے پاک رکھا۔ ۲۳

سالہ زندگی میں کمزوری کا ایک بھی لمحہ لوگوں کی نظر سے نہ گزرا۔ آپؐ کی تعلیم چونکہ قیامت تک باقی رہنے والی تھی اس لئے آپ کی ذاتِ پاک کو مجموعۂ عمال بنا کر بھیجا گیا علامہ سید سلیمان ندوی نے بجا فرمایا کہ انسانی تاریخ ایسی کامل شخصیت کا نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ایک کامل لیڈر
(دعوت، مزاحمت اور غلبہ)

دعوت:

۴۰ برس تک مکہ میں ایک سنجیدہ، معزز، شریف، راست گو اور امانت دار آدمی کے طور پر معروف رہنے والے حجرت محمدؐ نے جب وحی الٰہی کے تحت لاتعداد دیوتاؤں کی بجائے صرف اللہ کے واحد اور احد ہونے کا درس دینا شروع کیا اور کہا کہ مجھے اللہ نے بھیجا ہے کہ تمھیں سیدھی راہ دکھاؤں، اللہ ہی واحد خدا اور معبودیت کے لائق ہے، وہی اللہ جس تم سدیوں سے خدائے برتر مانتے آ رہے ہو۔ نیز یہ کہ ہم سب موت کے بعد دوبارہ اٹھائیں جائیں گے اور اس دنیا کے اچھے یا برے اعمال کی جزا اور سزا پائیں گے۔ اس پر قریشِ مکہ بپھر اٹھے۔ ان کے انکار یا کفر کی تین بڑی وجوہات تھیں اولاً انسان کی روائت پرستی۔ وہ کہتے کہ ہمارے آباؤ اجداد صدیوں سے جو مذہب اور عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہیں اسے کیوں اور کیسے چھوڑ دیں۔ دوسری وجہ معاشی تھی خانہ کعبہ تمام مشرکین کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا تھا، جس سے اہلِ مکہ کو کثیر آمدن ہوتی تھی۔ اس سے محرومی کا تصور ان کے لئے بڑا خطرہ تھا تیسری وجہ حسد تھی کہ محمد کی بجائے ہم میں سے کسی کو کیوں یہ اعزاز نہیں بخشا گیا۔ ورنہ آپ نے کسی نئے معبود کا تصور تو پیش نہیں کیا تھا۔

مزاحمت:

لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے توحید پر اصرار جاری رکھا کہ ایک اللہ کو معبودِ واحد اختیار کر کے جسدِ واحد بن جاؤ اور مضبوط ہو جاؤ تو ان لوگوں سے تسلیم کی بجائے انکار کا، اور ایمان لانے والوں پر تشدد کا راستہ اختیار کر لیا۔ غریبوں اور غلاموں پر جسمانی تشدد کرتے، تاجروں اور معززین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے۔ اس طرح مسلمانوں کی زندگی اس حد تک اجیرن کر دی کہ مسلمانوں کے تعاقب میں وہاں بھی جا نکلے اور ان کی حبشہ بدری کی ناکام کوشش کر ڈالی۔ بعد میں آپؐ کے پیروؤں اور قبیلہ کا سماجی و معاشی بائیکاٹ کر کے ان کو تین

سال کے لئے مکہ سے باہر ابو طالب کی گھاٹی میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ تین سال بعد جب مسلمان مکہ واپس لوٹے تو طویل صعوبتوں کی تاب نہ لا کر حضرت ابو طالب اور خدیجۃ الکبریٰ یکے بعد دیگرے وفات پا گئے اور حجور ؐ کے دونوں بڑے سہارے ٹوٹ گئے۔۔ قریشِ مکہ ابھی بھی ایمان لانے پر مائل نہ تھے، سو آپ نے مضافات کو رخ کیا۔ لیکن طائف والوں نے بھی بات ماننے کی بجائے اذیت کی انتہا کر دی۔ اس کے باوجود اپنے ذمہ لگائے گئے فرض کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنے کا خیال کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی حضور کے دل میں نہ آیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کے عظیم اعزاز کے ذریعہ تقویت بخشی۔ نامراد مشرکینِ مکہ اس معجزہ کا بھی تمسکر اڑانے پر تل گئے اور نوبت بایں جا رسید کہ ۱۳ نبوی میں حضور ؐ کی جان لینے کا ناپاک منصوبہ بنا لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بروقت خبردار کر دیا اور آپ ؐ حضرت ابو بکر صدیق کے ہمراہ یثرب کی طرف ہجرت فرما گئے جہاں کے عرب قبائل اوس و خزرج کے لوگ گزشتہ حج کے دوران آپ ؐ سے بیعت کر چکے تھے اور خواہشمند تھے کہ حضور ؐ یثرب تشریف لا کر عربوں کی قیادت سنبھالیں اور وہاں یہود کے غلبہ کا توڑ ہو سکے۔

سادہ طرزِ زندگی

آپؐ کی زندگی میں حجاز، جزیرہِ عرب اور عراق وشام کے نواحی علاقے فتح ہو چکے تھے۔ خمس اور صدقات بھی حاضر کئے جاتے تھے، لیکن اس سب کو صرف اللہ کی راہ پر خرچ کرتے۔ ازواجِ مطہرات کے اخراجات کے لئے بنو نضیر کے نخلستان میں حصہ مقرر کردیا گیا تھا۔ جس کی فصل سے سال بھر کا خرچہ چلتا۔ فتح خیبر کے بعد فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جَو بھی سالانہ مقرر ہو گیا۔ (ایک وسق ۱۵۰، یا بقول مولینا تھانوی ۲۰۰ کلو گرام تقریباً)۔ انتظامات حضرت بلال کے ذمہ تھے۔ آپکے حرم میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ۹ ازواج مطہرات تھیں۔ اُن میں سے اکثر خوشحال اور معزز گھرانوں سے متعلق تھیں اور ناز ونعمت میں پلی تھیں۔ لطیف غذاؤں اور فاخرہ لباسوں کی عادی رہ چکی تھیں۔ لیکن اس سب کے باوجود حضورؐ نے اپنی ذات کی طرح ان سب کو بھی انتہائی سادگی کا خوگر بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے محبوب تھیں۔ لیکن انھیں بھی کنگن پہنے ہوئے دیکھا تو ٹوک دیا۔ تمام اہل وعیال کو ریشمی لباس اور سونا استعمال کرنے کی ممانعت تھی۔ حضرت فاطمہؓ آپؐ کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ لیکن ان کو حضورؐ کی محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں ہوا۔ چکی پیس پیس کر ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے، مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گٹے پڑ جاتے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے میل سے اَٹ جاتے اور چولہے کے پاس بیٹھے بیٹھے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے۔ ایک دفعہ آپؐ سے اپنی کیفیت بیان کر کے خدام طلب کئے تو سرکارِ دو عالم نے رات سونے سے قبل ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر وظیفہ کرنے کی تلقین فرمائی، اور دنیا کی بجائے آخرت پر نظر رکھنے کی نصیحت کر کے تشفی فرما دی۔

اس مطالعہ کے بعد یہ سمجھنے میں کوئی دِقت نہیں رہتی کہ حضورؐ کے مشن کا مقصد کسی بھی طرح ذاتی مفاد، اقتدار، یا عیش وسہولت نہ تھا۔ بلکہ خالقِ کائنات نے حضورؐ کو قیامت تک کے لئے انسانی معاشرہ کی اصلاح کی خاطر ایک نظام ترتیب دینے، اور اس کی عملی تشکیل کر کے دکھانے کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ اور، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فریضہ سرانجام دینے میں کمال بے

غرضی اور کامیابی کے ساتھ سرخرُو ہوئے، اور رخصت ہونے سے پہلے یہ اعلان فرما گئے کہ لوگو! گواہ رہنا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

تیسرا باب

پیغمبرِ تعلیم وتہذیب

رسول آخرالزمان ﷺ کا تدریجی طریقۂ تعلیم و تبلیغ

پیغمبرِ تعلیم و تہذیب

رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں میرے نزدیک پہلا مقصد وہ ہے جو ۳ بار ایک ہی الفاظ میں بیان ہوا۔ سن ۳ ہجری میں جنگِ احد سے واپسی کے بعد سورۃ صّف کی آیۃ نمبر ۹ میں، دوسری مرتبہ سن ۵ ہجری میں صلح حدیبیہ سے واپسی پر سورۃ فتح کی آیۃ نمبر ۲۸ میں، اور تیسری مرتبہ سن ۹ ھ میں غزوۂ تبوک کی تیاری کے وقت سورۃٔ توبہ کی آیۃ نمبر ۳۳ میں: "**هُوَالَّذِی اَرسَلَ رَسُولَه بِالهُدٰیِ وَدِینِ الحَق لِیُظهِرَهُ علیَ الدِّینِ کُلِّه**۔ یعنی اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدائت اور صحیح نظامِ زندگی دے کر بھیجا تا کہ تمام دوسرے نظاموں پر غالب آجائے۔ آپ کی زندگی کے دوران ہی یہ مقصد پورا ہو گیا۔

دوسرا مقصد وہ ہے جو سن ۲ ہجری میں سورۃٔ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ میں حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے دعا کی شکل میں بتایا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کرنے کے بعد جو دعائیں کیں، اُن میں آخری دعا اس آیۃ مبارکہ میں بیان ہوئی ہے: **ربّنا وَبعَث فیهِم رسولاً مِنهُم، یَتلُوعلَیهِم آیٰتِک، وَیُعَلِّمُهُم الکِتاب، وَالحِکمَة، وَیُزَکِّیهِم۔ اِنَّکَ اِنتَ العَزِیزُ الحَکِیم**۔ اور اے ہمارے رب، اِن لوگوں میں ان ہی میں سے اپنا رسول بھجوانا جو اِنہیں آپ کی آیات پڑھ کر سنائے، اور کتاب (یعنی قرآن) کی تعلیم دے، دانائی سکھائے اور اِن کو پاک کر دے۔ بے شک آپ کو ہر اختیار حاصل ہے جو آپ بہت حکمت سے استعمال فرماتے ہیں"۔ نبیِ کریم ﷺ نے یہ فرض ایسے ادا فرما دیا جیسے حق اس کا حق تھا۔ آج ہم اس کی کچھ مثالیں زیرِ نظر لائیں گے۔

تعلیم وتربیت

ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی تربیت پر دینِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی گہری توجہ رہی۔ توحید اور آخرت کے عقیدہ کے بعد جس موضوع پر روزِ اول سے حضورِ اکرم کی رحلت تک دن رات محنت ہوئی وہ یہی انفرادی اور اجتماعی تربیت تھی۔ آج میری کی گفتگو کا مقصد تقریر نہیں بلکہ تذکیر ہے کہ ہم کچھ یاد دہرائیں۔ میں اپنے پاس سے کچھ کہنے کی بجائے قرآنِ حکیم اور خود آپ ﷺ کے فرمودات ہی بیان کروں گا تاکہ اُس حکمت اور دانائی کی ایک جھلک ہم دیکھ سکیں جس کے ساتھ معاشرہ کو تبدیل کر کے رکھ دیا گیا اور اس تربیت کی آفاقیت بھی ہماری سمجھ میں آئے کہ ڈیڑھ ہزار سال قبل جو تعلیم و تہذیب سکھائی گئی، وہ کس طرح آج بھی کرۂ ارض کے ہر گوشہ کے لیے رہنما ہے۔

سب سے پہلی وحی میں اللہ کو اسمائے صفات سے یاد کرنے کا کہا گیا۔ اور دوسری وحی سورۂ مدثر میں دو بنیادی عقائد توحید کی دعوت دینے اور قیامت کے دن غلط اعمال کی سزا بتانے کا کہا گیا۔ تیسری وحی سورۂ مزمل میں نماز اور زکواۃ کا حکم دیا گیا اور صبر کی تلقین کی گئ۔ بعد کی سب تعلیم انہی تعلیمات کی تشریحات ہیں۔ چوتھی وحی سورۂ تکویر میں قیامت کے مناظر و احوال بیان کرنے کے بعد پانچویں وحی سورۂ فاتحہ نازل ہوئی جس میں ان عقائد کا اعتراف کرنے اور ہدائت کی دعا کرنے کے الفاظ سکھائے گئے۔ حضرات آپ غور کر رہے ہوں گے کی کس تدریج کے ساتھ ایک مشرک معاشرہ میں توحید اور جوابدہی کے تصور کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ تین سال تک قریبی لوگوں کو خفیہ طریقہ سے تبلیغ ہوتی رہی اور چالیس لوگ ایمان لے آئے۔

نبوت کے چوتھے سال جب سورۂ شعرا کی آیت نمبر ۲۱۴ کے نزول کے بعد کوہِ صفا پر چڑھ کر اعلانیہ دعوتِ توحید دی گئ تو برملا مخالفت شروع ہو گئ اور مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ضرورت درپیش ہو گئ جہاں کا مذہب اور حاکم (نجاشی) عیسائی تھا۔ اس کے پیشِ نظر ہجرتِ حبشہ سے پہلے ۵ نبوی میں نازل ہونے والے سورتوں مریم، کہف، زمر اور طٰہٰ میں

عقیدۂ تثلیث کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر، عیسائی تاریخ کے قصے، اللہ کی خالص عبادت کی تاکید، بعثت کا مقصد سمجھا کر توحید و آخرت پر قائل کرنے جیسے مضامین سے صحابہ کی تربیت کی گئی۔ سورۂ زمر میں توحید کی حقانیت اور اور شرک کی تکذیب پر نہایت موثر خطبہ اور ہجرتِ حبشہ کا اشارہ دیا گیا۔ یعنی وقت کی ضرورت کے مطابق مضامین اور تربیت کی گئی۔

عبداللہ بن ام مکتوم

سن ۴ نبوی کا ایک واقعہ تربیتِ اصحاب کے سلسلہ میں اہم ہے۔ رسول اللہؐ ایک سردارِ مکہ کے ہاں تبلیغ کے لیے گئے اور بات چیت کر رہے تھے۔ اس دوران ایک نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم وہاں پہنچ گئے اور اپنی بات شروع کر دی۔ حضورؐ نے سمجھایا کہ بعد میں بات کر لیں گے لیکن وہ نہ سمجھے اور اپنی بات کرتے رہے۔ اس پر آپ نے ڈانٹ کر کہا کہ ابھی مصروف ہوں، بعد میں بات کریں گے۔ وہ چلے گئے۔ اس پر سورۂ عبس میں وحی نازل ہوئی جس میں اپنے ساتھیوں کی دلجوئی کی تاکید کی گئی۔ یہ وحی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو سنائی گئی، آپؐ نے اُن کی دلجوئی فرمائی اور پوری بات سن کر جواب سمجھایا۔ پورا قرآنِ حکیم تعلیم اور تربیت کی ہدایات سے بھرا پڑا ہے۔

سورۃ فرقان

پورا قرآنِ حکیم تعلیم اور تربیت کی ہدایات سے بھرا پڑا ہے۔ سن ۷ نبوی میں سورۂ فرقان کی آیات نمبر ۶۳ تا ۷۴ میں عبادالرحمٰن کی یہ ۱۳ صفات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ کسرِ نفسی
۲۔ جاہلوں سے دور رہنا
۳۔ راتوں کو نماز اور عبادت
۴۔ جہنم کے عذاب سے ڈرنا
۵۔ خرچ کرنے میں اعتدال
۶۔ شرک سے مکمل پرہیز
۷۔ قتلِ ناحق سے ہر صورت بچنا
۸۔ زنا اور بدکاری سے بچنا
۹۔ جھوٹی گواہی کسی صورت نہ دینا
۱۰۔ اللہ کی کتاب سے فائدہ اٹھانا
۱۱۔ اللہ سے نیک بیوی بچے مانگنا
۱۲۔ ہدایت یافتہ بنا دیا جانے کی

دعا کرنا، اور

۱۳۔ گانے بجانے اور برائی کی مجالس سے دور رہنا۔

سورۃ بنی اسرائیل

ہجرت سے پہلے سن ۱۲ نبوی میں سورۃ بنی اسرائیل میں یہود کے بارے میں آیات نازل ہوئیں کیونکہ یثرب میں یہودی آباد تھے جن کے ساتھ واسطہ پڑنا تھا۔ اس کے علاوہ اجتماعی زندگی کے آداب واخلاق بھی بیان کیے گئے ہیں جیسے:

- ☆ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو،
- ☆ والدین کے ساتھ احسان کرتے رہو، اور اُن کے سامنے اپنے کندھے جھکائے رکھو۔
- ☆ والدین کے ساتھ نرمی سے بات کرو، جھڑک کر نہ بولو بلکہ اُن کے آگے اُف بھی نہ کرو۔
- ☆ والدین کے لیے ہمیشہ اپنے رب سے رحم کی دعا کرتے رہو۔
- ☆ رشتہ داروں مسکینوں اور مسافروں کو اُن کا حق دو،
- ☆ مال کو فضول خرچی میں نہ اڑاؤ،
- ☆ نہ بُخل کرو نہ ہاتھ اتنا کھلا رکھو کہ کل کو پچھتانا پڑے،
- ☆ زنا اور اُس کے محرکات کے قریب بھی نہ پھٹکو،
- ☆ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو،
- ☆ کسی بھی جاندار کو ناحق قتل نہ کرو،
- ☆ یتیم کے مال میں ناجائز تصرف نہ کرو،
- ☆ وعدہ کرو تو اسے پورا کرو،
- ☆ ناپ تول پورا پورا کیا کرو،
- ☆ جس چیز کے بارے میں تحقیق نہ ہو اُس کے پیچھے نہ پڑو،
- ☆ کانوں آنکھوں اور دل کی حفاظت کرو،
- ☆ زمین پر اکڑ کر نہ چلو، اور،

☆ اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہ بناؤ۔

ایک نئے معاشرہ کی تشکیل کے لیے بنیادی سماجی رویوں کی تعلیم کیسی تفصیل سے دی جارہی ہے!

سورۂ حج

سورۂ حج کا کچھ حصہ ہجرت سے قبل مکہ میں، کچھ دورانِ سفر اور کچھ یثرب پہنچتے ہی نازل ہوا۔ اس میں ہجرت، جہاد، قربانی جیسے احکام کے علاوہ توحید، یومِ جزا، جنت، دوزخ جیسے عقائد، اور مناسکِ حج کا ذکر ہے۔ اس سورہ کی آیۂ نمبر ۳۹ میں یعنی یثرب کی حدود میں قدم رنجہ فرمانے کے بعد نازل ہوئی جس میں "رکاوٹ کھڑی کرنے والوں اور ظلم کرنے والوں" کے ساتھ قتال کی اجازت دے دی گئی۔ قبل ازیں قیامِ مکہ کے دوران ۷۰ آیات ایسی نازل ہو چکی تھیں جن میں اپنے ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا۔ اس سورۂ حج کا اختتام بھی اقامتِ صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ اور اللہ کی راہ میں جہاد کے احکام پر ہوتا ہے۔ یہاں سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ تعلیم اور تربیت کس طرح حالات کے ساتھ ساتھ کی جاتی رہی۔ کس طرح پرانے خیالات رسوم اور عقائد کے برعکس بتدریج جدید اور مہذب اسلامی زندگی کی تعلیم دی گئی۔

اوّلین خطبۂ جمعہ

ہجرت کے بعد آپ نے دو ہفتہ مدینہ سے چند میل اِدھر قبا کے مقام پر قیام فرمایا۔ ربیع الاول ستمبر ۶۲۲ء میں جس دن آپ قبا سے یثرب کے لیے روانہ ہوئے وہ جمعہ کا دن تھا۔ قبا سے چل کر تقریباً آدھے راستہ میں بنی سالم کے گھروں تک پہنچے تھے کہ دوپہر کا وقت ہو گیا۔ یہاں آپؐ نے ہفتہ وار اجتماعِ جمعہ کی ابتدا فرمائی اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس وقت تقریباً ۱۰۰ مسلمان خطبہ اور نمازِ جمعہ کے لیے موجود تھے۔ مکہ سے نکل کر آزادانہ ماحول میں یہ پہلا روزِ جمعہ تھا۔ جس جگہ آپ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا وہاں اب مسجدِ جمعہ کے نام سے ایک عظیم الشان مسجد بنی ہوئی ہے۔ خطبہ میں آپؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کے الفاظ پر غور فرمائیے:

" حمد اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہیں۔ میں اُسی کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد، بخشش اور ہدایت مانگتا ہوں۔ میرا ایمان اُسی پر ہے۔ میں اُس کی نا فرمانی نہیں کرتا بلکہ اُس کی نافرمانی کرنے والوں سے دشمنی رکھتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ ایک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔ میں محمد اُس کا بندہ اور رسول ہوں۔ اسی نے محمدؐ کو ہدایت، نور اور نصیحت دے کر ایسے زمانے میں بھیجا ہے جب کہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا میں نہیں آیا تھا، اور علم گھٹ چکا اور گمراہی بڑھ چکی تھی۔ آخری زمانہمیں قیامت کے نزدیک بھیجا گیا ہے۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتا ہے وہی راہ پانے والا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے اور حکم نہیں مانتا وہ بھٹک گیا، درجہ سے گر گیا اور سخت گمراہی میں پھنس گیا۔ مسلمانو! میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ ایسی نصیحت جو ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو کر سکتا ہے وہ نصیحت یہ ہے کہ اسے آخرت کے لیے آمادہ کرے اور اللہ سے ڈرنے کے لیے کہے۔ لوگو! جن باتوں سے اللہ نے تم کو پرہیز کرنے کے لیے کہا ہے اُن سے پرہیز کرو۔ اس سے بڑھ کر نہ کوئی نصیحت ہے اور نہ اس بڑھ کر کوئی ذکر ہے۔ یاد رکھو جو ہر کام میں اللہ کا خوف پیشِ نظر رکھتا ہے آخرت میں یہ تقویٰ اُس کے لیے بہت ہی بہتر مددگار ثابت ہوگا۔ اور جب کوئی شخص اپنے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ خفیہ اور ظاہر میں خالص نیت کے ساتھ ٹھیک رکھے گا تو ایسا کرنا اُس کے لیے دنیا میں نیک نامی اور موت کے بعد اس کے لیے ذخیرہ بن جائے گا۔ لیکن اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو اُس کے بارے میں اللہ کا یہ ارشاد ہے: "انسان پسند کرے گا کہ اُس کے برے اعمال اُس سے دور ہی رکھے جائیں"۔ اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تو اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ اور جس نے اللہ کے حکم کو سچ جانا اور اُس کے وعدوں کو پورا کیا تو اُس کی بابت یہ فرمانِ الٰہی موجود ہے کہ: "ہمارے ہاں بات بدلا نہیں کرتی، اور میں اپنے بندوں پر ناحق ظلم کرنے والا بھی نہیں ہوں"۔ مسلمانو! اپنے موجودہ اور آئندہ ظاہر اور باطن کاموں میں اللہ کا خوف سامنے رکھو کیونکہ تقویٰ والوں کی برائیاں معاف کر دی جاتی ہیں، اور اُنکا ثواب بڑھا دیا جاتا ہے۔ تقویٰ والے لوگ اپنی بہت بڑی مراد کو پا لیں گے۔ یہ تقویٰ ہی تو ہے جو اللہ کی بیزاری، خفگی اور اس کے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔ یہ

تقویٰ ہی تو ہے جو چہرے کو درخشاں پُرنور، پرودِگار کو خوش اور درجات کو بلند کر دیتا ہے۔ مسلمانو! دنیا میں حلال طور پر خوب مزے حاصل کرو مگر اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں کمی نہ کرو۔ اللہ نے اسی لئے تم کو اپنی کتاب سکھائی اور اپنا راستہ دکھلایا ہے کہ سچے لوگوں اور جھوٹے لوگوں میں فرق واضح ہو جائے۔ لوگو! اللہ نے تمھارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ احسان کا سلوک کرو۔ اور جو اللہ کے دشمن ہیں انکو اپنا دشمن جانو، اور اللہ کی راہ میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو۔ اُسی نے تم کو اپنا پیارا بندہ بنایا ہے اور تمھارا نام مسلمان رکھا ہے تا کہ جو اسلام قبول نہ کرے وہ روشن دلیلیں دیکھتا ہوا ہلاک ہو جائے، اور اسلام قبول کر کے زندگی پانے والا روشن دلائل پر زندہ رہے۔ سب نیکیاں اللہ کی مدد سے ہوتیں ہیں۔ لوگو! اللہ کا ذکر کیا کرو اور آخرت کے لئے نیک عمل کرو، کیونکہ جو شخص اللہ کے اور اپنے درمیان معاملہ درست رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے معاملات میں درستگی پیدا کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ کا حکم بندوں پر چلتا ہے، ہر وقت جاری رہتا ہے، اور اس پر کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اللہ بندوں کا مالک ہے اور بندوں کو اللہ کے سامنے کچھ بھی اختیار حاصل نہیں ہیں۔ لوگو! آخر میں یاد رکھو! اللہ پاک سب سے بہت ہی بڑا ہے اور ہم کو نیک کاموں کی طاقت صرف اس عظمت والے کے فضل سے ملتی ہے"

مدینہ میں دوسرے جمعہ کا خطبہ

اگلے جمعہ یعنی مدینہ منورہ میں پہلے جمعہ کے خطبہ میں یہ ارشادات فرمائے: اس خطبہ کے اکثر الفاظ آج بھی علماء کرام اپنے خطبۂ جمعہ میں استعمال کرتے ہیں:

"اللہ کی حمد ہو۔ میں اللہ کی حمد پڑھتا ہوں اور اس کے دامن میں ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ ہدائت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کی رہنمائی کوئی نہیں کر سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ بہترین کتاب اللہ کی کتاب ہے۔ کامیاب ہوا وہ جس کے دل کو اللہ نے اس سے آراستہ کیا۔ اور اس کو کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا۔ جس نے انسانوں کے کلام کو چھوڑ کر اللہ کے کلام کو پسند کیا، کیونکہ اللہ کا کلام سب

سے بہتر اور سب سے زیادہ پر اثر ہے۔ جس کو اللہ دوست رکھتا ہو تم بھی دوست رکھو۔ اللہ کو دل سے پیار کرو اور اس کے کلام اور ذکر سے کبھی نہ تھکو۔ تمہارے دل اُس کی طرف سے کبھی سخت نہ ہوں۔ پس اللہ ہی کو پوجو اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ۔ اس سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور اللہ سے سچی بات کہو، آپس میں ایک دوسریکو ذاتِ الٰہی کے واسطہ سے پیار کرو، اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے کہ کوئی اپنے عہد کو پورا نہ کرے۔ تم پر اللہ کی سلامتی، رحمت اور برکت نازل ہو"۔ حضراتِ گرامی آپ نے غور فرمایا کہ خطبہ کا ہر لفظ بہتر معاشرتی زندگی کی تربیت ہے۔

واقعہ ٔ نخلہ

سن ۲ ہجری میں ۱۲ صفر کو آپ نے حضرت عبداللہ بن جحش کو کچھ افراد کے ہمراہ مکہ روانہ فرمایا اور ایک بند رقعہ یہ کہہ کر دیا کہ اس کو دو دن کے بعد کھولنا۔ اُس میں حکم درج تھا کہ نخلہ (مکہ سے جدہ کی طرف ایک دن رات کی مسافت پر واقعہ ہے) کے مقام پر قیام کرو اور ہمیں قریش مکہ کی نقل و حرکت سے آگاہ رکھو۔ یہ وہاں پہنچ کر رُک گئے۔ اتفاقاً وہاں سے قریش کے چند لوگ شام سے مالِ تجارت لے کر آتے نظر آئے۔ عبداللہ بن جحش نے اُن پر حملہ کر دیا۔ ایک آدمی عمرو بن حضرمی مارا گیا، دو گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ مدینہ پہنچے تو آپؐ نے غنیمت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور صحابہ نے عبداللہ کو کہا "تم نے وہ کام کیا جو تمہیں نہیں کہا گیا تھا۔ اور تم نے حرام مہینے میں لڑائی کی حالانکہ اس مہینے میں لڑنے کی اجازت نہیں"۔ مقتول ایک بڑا آدمی تھا اور رئیسِ مکہ حرب بن امیہ کا حلیف تھا (عبدالمطلب کے بعد حرب بن امیہ قریشِ مکہ کا رئیسِ اعظم بنا تھا)۔ حضرمی کے قتل پر خطۂ عرب میں ہنگامہ بپا ہو گیا اور معرکۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے جڑتا ہے۔ (علامہ طبری سمیت سب مسلمان مؤرخین متفق ہیں کہ غزوۂ بدر اور بعد کی تمام لڑائیوں کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے)۔ آج کا کوئی نام نہاد لیڈر ہوتا تو 'مجرمین' کو دشمن کے حوالے کر کے امن خرید لیتا، لیکن ہمارے رہنما ﷺ نے یہ نہیں کیا۔ اپنے صحابی کی غلطی پر سرزنش ضرور فرمائی، مال غنیمت قبول کرنے سے انکار کیا لیکن سمجھا دیا۔ اس پر خود اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ

ہاں، حرام مہینے میں قتال بری بات ہے لیکن زمین پر فتنہ بپا کرنا اور لوگوں کو گھروں سے نکالنا اس سے کہیں بڑھ کر برائی ہے۔ آپؐ نے اپنے کمانڈر اور ٹیم کا تحفظ فرمایا اور ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ یہ ہے عملی تربیت۔

جنگِ بدر، احد اور بنو قریظہ

جنگِ بدر کے سال بعد شوال ۳ ہجری میں جنگِ اُحد ایک بڑی آزمائش بن کر آئی۔ بہت سی خواتین بیوہ ہو گئیں۔ احد کے بعد لوگ شکست خوردگی کے احساس میں مبتلا تھے تو سورۃ الصّف نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ شکست کے بعد سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ، اللہ کے مددگار بنو۔ سچے دل کے ساتھ جان و مال کا جہاد کرو، غالب ہو جاؤ گے۔ اور سورۃ آلِ عمران میں بیواؤں اور یتیموں کے حل طلب مسائل کے لیے ہدایات نازل ہوئیں۔ جب جیسے حالات درپیش ہوئے، ویسی رہنمائی ملتی چلی گئی۔ جنگ احد میں یہود بنو نضیر نے منافقین سے مل کر غداری کی تھی اور مسلمانوں کو زچ کیا تھا۔ چنانچہ سن ۴ ہجری میں بنو نضیر کو یثرب بدر کر دیا گیا۔ یہ تھی ٹیم لیڈر کی طرف سے عملی رہنمائی اور تربیت۔

سن ۵ ہجری میں جنگِ احزاب کا واقعہ ایک سخت آزمائش تھا۔ تمام عرب قبائل اکٹھے ہو کے حملہ آور ہوئے اور پندرہ ہزار جنگجو مدینۃ النّبی کا محاصرہ کر کے بیٹھ رہے۔ بنو قریظہ حملہ آوروں کے ساتھ مسلسل ساز باز کر رہے تھے جب تائیدِ ایزدی کے ساتھ دشمن پسپا ہو گیا تو اُسی سہ پہر بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا گیا اور ثالثی فیصلہ کے بعد انہیں عبرتناک سزا دی گئی۔

91 ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محمد بشیر ہرل

ازواجِ مطہرات کو ہدایت

جب فتوحات کا دور شروع ہوا تو ازواجِ مطہرات نے وظیفہ اور نفقہ میں اضافے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اس موقع پر سورۃ احزاب کی آخری آیات نازل ہوئیں جن میں انھیں دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا کہ (۱) یا تو تنگی ترشی کے ساتھ بدستور گزر بسر کرتی رہیں اور آخرت کو ترجیح دیں ، یا پھر (۲) خوشحالی کی زندگی گزارنے کے لئے حضورؐ سے جدائی اختیار کر لیں۔ جب سب ازواجِ مطہرات نے آخرت ہی کو ترجیح دی تو سورۃٔ احزاب میں ازواجِ مطہرات کی بزرگی بیان کرنے کے بعد انھیں سات ہدایات دی گئیں، جو سب مسلمان خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہیں:

۱۔ مردوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے لچک دار لہجہ اختیار نہ کریں۔
۲۔ بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں۔
۳۔ اپنی زینت زیبائش یا ستر ظاہر نہ ہونے دیں۔
۴۔ نماز کی پابندی کریں۔
۵۔ زکوٰۃ دیا کریں۔
۶۔ اللہ اور رسول کے کہے پر چلیں۔
۷۔ قرآن اور احادیث ایک دوسرے کو پڑھ کر سنایا کریں۔

مسلمان مرد کی صفات

اسی طرح مسلمان مرد کی ۱۰ صفات بیان کی گئیں یعنی:

☆ اسلام،
☆ ایمان،
☆ دائمی اطاعت،
☆ صدق،
☆ صبر،

☆ خشوع،

☆ صدقہ،

☆ روزے رکھنا،

☆ شرم گاہ کی حفاظت، اور

☆ اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا۔

یہ تھا طریقۂ تعلیم اور طریقۂ تربیت۔ قدم قدم پر، روزمرۃ کی ضروریات و حالات کے عین مطابق رہنمائی اور ہدایات۔

فتح مکہ

آگے چلیے۔ سن ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو ایک غازی صحابی پکار اٹھا کہ آج بدلہ لینے اور مشرکوں کے ٹکڑے کرنے کا دن ہے۔ اس پر حضورؐ نے اس صحابی سے پرچم لے کر اس کے بیٹے کے ہاتھ میں تھما دیا اور فرمایا کہ آج رحم کرنے کا دن ہے۔ پھر یہ ہدایات دیں جو اس سے پہلے کبھی انسانی تاریخ میں نہ دی گئی تھیں:

۱۔ جو کوئی ہتھیار پھینک دے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ جو کوئی خانہ کعبہ کے اندر پناہ لے لے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۳۔ جو کوئی اپنے گھر کے اندر بیٹھا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۴۔ جو کوئی ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۵۔ جو کوئی حکیم بن حزام کے گھر داخل ہو جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۶۔ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے، اور

۷۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

احکامِ جنگ

مفتوح اور مغلوب پر ظلم ہمیشہ رائج رہا۔ رومیوں کا قانونِ جنگ ظلم پر مبنی تھا۔ اور دوسری پرانی تہذیب یہود کی توراۃ میں یہ حکم درج ہے کہ "دشمن پر غالب آجاؤ تو اس کو تحس نحس کردو"۔ destroy ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کی دنیا میں بھی مختلف نمائشی چارٹرز تیار کرنے والی اقوام اس سے بڑھ کر ظلم روا رکھتی ہیں۔ لیکن رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات ملاحظہ فرمائیں: بات بات پر جان بخشی کی جا رہی ہے۔

سن ۹ ہجری میں جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر مقرر فرمایا تو اُن کو روانہ کرنے کے لیے بنفسِ نفیس ان کے ساتھ مدینہ سے باہر تک آئے۔ اُن سے سوال کیا کہ معاذ! تم معاملات کے فیصلے کیسے کرو گے۔ انہوں نے کہا قرآن سے رہنمائی لوں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر قرآن میں بات نہ ملی تو؟ انہوں نے کہا جی آپ کی سنت اور فرمودات سے۔ فرمایا اگر وہاں سے بھی نہ ملی تو؟ اس پر معاذ بن جبل نے کہا جی اس صورت میں اجتہاد سے کام لوں گا۔ فرمایا، ہاں۔
یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ تربیت۔ ہر لمحہ، ہر موقع، امت کا ہر پہلو پیشِ نظر رہا۔

معاشرتی احکام

جب قبائل اسلام قبول کرتے جا رہے تھے تو مدینہ میں نو مسلم بدوئین اپنے مزاج کے مطابق اٹھتے بیٹھتے۔ آپؐ کے حجرے کے باہر آکر زور زور سے آوازیں دیتے یا محمد! یا محمد! باہر آیئے ہماری بات سنیئے۔ ایسے حالات کے پیشِ نظر سن ۹ ہجری میں سورۃ حجرات میں یہ ۱۰ معاشرتی احکام نازل ہوئے:

۱۔ اللہ اور رسول کے ادب و احترام کا حکم ہے،
۲۔ اُن کا فیصلہ آنے تک اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کریں (اللہ رسول کے قدم سے آگے قدم نہ بڑھاؤ)،
۳۔ نبیِ کریمؐ کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کریں،

۴۔ آپ کو گلی میں کھڑے ہو کر ایسے نہ پکارا کریں جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں،

۵۔ دوسرے مسلمان کی غیبت نہ کریں۔

۶۔ ایک دوسرے کا تمسخر نہ اڑایا کریں،

۷۔ طعنہ نہ دیا کریں،

۸۔ ایک دوسرے کی توہین نہ کریں،

۹۔ کسی کا نام نہ بگاڑیں، بدگمانی نہ کیا کریں، اور

۱۰۔ دوسرے کی کمزوریوں یا برائی کی ٹوہ لگانے کی کوشش نہ کریں۔

سچے مومن کی صفات

پھر سچے مومنوں کی ۵ صفات بیان ہوئی ہیں:

☆ اللہ پر ایمان،

☆ رسول اللہ ﷺ پر ایمان،

☆ اس ایمان پر شک سے بالاتر یقین،

☆ اللہ کی راہ میں مال سے جہاد، اور

☆ جان سے جہاد۔

جب نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرنے کا یہ حکم نازل ہوا تو تو ایک صحابی حضرت ثابت بن قیس جن کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی، اس خیال سے خانہ نشین ہو گئے کہ میری آواز ہے ہی بلند، ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کے سامنے بولوں تو میرے سارے اعمال ضائع ہو جائیں۔ جب وہ کچھ دنوں نظر نہیں آئے تو حضورِ اکرم ﷺ نے پوچھا ثابت کہاں ہے۔ جب بتایا گیا تو آپ نے بلوا بھیجا اور کہا میں تو آپ کو جنت میں دیکھ چکا ہوں۔ جو چیز آپ کے اختیار میں نہیں ہے، اُس پر گرفت نہیں ہوگی۔ (دراصل اس حکم کی شانِ نزول یہ تھی کہ کسی معاملہ پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان اونچی آواز میں تکرار ہو گئی تھی اور اس پر یہ حکم آیا تھا)۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد کوئی ایسا موقعہ پیدا ہوا جہاں

اونچی آواز میں بات کرنا ضروری تھا تو آپ ﷺ نے بالخصوص حضرت ثابت [illegible] لگایا۔اس طرح اُن کی دل جوئی ہوگئی۔ یہ تھا تربیت کا دلفریب طریقہ۔

آدابِ ملاقات

آپؐ کسی سے ملنے جاتے تو اجازت مانگتے۔ اگر کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا، دروازے پر کھڑا ہوکر پہلے السلام علیکم کہتا، پھر پوچھتا کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ کوئی شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا، تو آپ اس کو واپس کر دیتے۔ ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہوکر پکارا کہ اندر آسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جا کر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو۔ یعنی پہلے سلام کرے پھر اجازت مانگے۔ ایک دن صفوان بن امیہ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے، آنحضرت ﷺ کے پاس اپنے بھائی کے ہاتھ دودھ، ہرن کا بچہ اور لکڑیاں بھیجیں، وہ یونہی بے اجازت اندر چلے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ۔ ایک دفعہ حضرت جابرؓ زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی، آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ بولے "میں" آپ ﷺ نے فرمایا "میں میں" یہ کیا طریقہ ہے، نام بتانا چاہئے۔ جب آپ ﷺ خود کسی کے گھر جاتے تو دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور السلام وعلیکم کہہ کر اِذن طلب فرماتے، اگر صاحبِ خانہ اِذن نہ دیتا تو پلٹ آتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اسعد بن عبادہؓ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہوکر اِذن طلبی کے لئے "السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ" کہا۔ سعدؓ نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے نہیں سنا۔ حضرت سعدؓ کے فرزند قیس بن سعدؓ نے کہا کہ آپ رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے، حضرت سعدؓ نے کہا چپ رہو، رسول اللہ بار بار سلام کریں گے جو ہمارے لئے برکت کا سبب ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے دوبارہ السلام وعلیکم کہا اور سعدؓ نے پھر اُسی طرح آہستہ آواز میں جواب دیا۔ آنحضرت ﷺ نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا، تو آپ واپس چلے، حضرت سعدؓ نے آپ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ میں آپ کا سلام سن رہا تھا، لیکن آہستہ جواب دیتا تھا (کہ آپ ﷺ بار بار سلام فرمادیں)۔

خطبۂ تبوک

سن ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ۳۰،۰۰۰ صحابہؓ کے ہمراہ شام کی سرحد کے قریب تبوک کے مقام پر پہنچ کر قیام فرمایا، اور وہاں مجاہدین کو خطاب کرتے ہوئے اس مفہوم کے کلماتِ نصیحت ارشاد فرمائے: (میدانِ جنگ میں بھی اخلاقی تعلیم پر توجہ ہے)۔

* سب سے زیادہ سچی بات اللہ کی کتاب قرآنِ حکیم ہے۔
* سب سے مضبوط سہارا تقویٰ کا کلمہ ہے۔
* سب سے بہتر ملّت ملّتِ ابراہیمی ہے۔
* سب طریقوں سے بہترین طریقہ (اللہ کے رسول) محمدؐ کا طریقہ ہے۔
* تمام باتوں میں بہتر بات اللہ کا ذکر ہے، اور سب بیانات میں سے بہتر یہ قرآن ہے۔
* بہترین کام وہ ہیں جو انسان پوری تندہی اور عزمِ راسخ سے کرے۔
* بدترین کام وہ ہیں جو (دین میں) از خود وضع کر لیے جائیں۔
* تمام راہوں میں سب سے عمدہ راہ پیغمبروں کی راہ ہے۔
* سب سے بہتر موت جامِ شہادت پینا ہے۔
* سب سے بُرا نابیناپن، ہدایت کے بعد گمراہی ہے، بدترین اندھاپن، دل کا اندھاپن ہے
* بہتر عمل وہ ہے جو نفع دے، اور بہتر ہدایت وہ ہے جس پر عمل کیا جائے۔
* اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔
* جو چیز کم ہو لیکن کافی ہو، وہ اُس چیز سے بہتر ہے جو ہو تو زیادہ لیکن غافل کرنے والی ہو۔
* بدترین معذرت موت کے وقت کی، اور بدترین ندامت یومِ قیامت کی ندامت ہے۔
* سنو! بعض لوگ ایسے ہیں جو بہت دیر کر کے جمعہ میں آتے ہیں۔
* اُن میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو خدا کا ذکر لاتعلقی سے کرتے ہیں۔

* بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک، زبان کا جھوٹ ہے۔
* اصلی کار آمد توشہ، تقویٰ ہے۔ بہترین تونگری، دل کی تونگری ہے۔
* دانائیوں کا سرتاج اللہ عزّ وجلّ کا ڈر ہے۔
* دلوں کی سب سے پسندیدہ چیز یقین ہے۔ شک کفر کا ایک جزو ہے۔
* میّت پر چیخنا چلّانا جاہلیّت کا عمل ہے۔
* خیانت دوزخ کی آگ ہے۔
* شراب تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے، شراب پینا، دوزخ کی آگ سے داغے جانا ہے۔
* شعر ابلیس کی طرف سے ہیں۔ (برے شعر مراد ہیں)
* سب سے بُری خوراک یتیم کا مال ہے۔
* سعادت مند انسان وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔
* بدنصیب انسان وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہی بُرا لکھ دیا گیا ہو۔
* تم میں سے ہر ایک کو چار ہاتھ کے گڑھے میں جانا ہے۔
* معاملہ آخرت پر منحصر ہوگا۔ عمل کا دارومدار، انجامِ کار پر ہوگا۔
* سب سے بُرا خواب، جھوٹ موٹ کا خواب ہے۔
* ہر آنے والی چیز قریب ہے۔
* مومن کو گالی دینا فِسق ہے، اور اُس سے لڑنا کفر ہے۔
* مومن کا گوشت کھانا (یعنی غیبت کرنا) خدا کی نافرمانی ہے۔
* اُس کے مال کی حُرمت اُس کے خون کی طرح ہے۔
* جو کوئی اللہ کے مقابلے میں قسم کھائے گا، اللہ اُس کو جھٹلا دے گا۔
* جو بخش دے گا، اُسے بخش دیا جائے گا۔
* جو معاف کر دے گا، اللہ اُس کے گناہ معاف کر دے گا۔
* جو غصہ پی جائے گا اللہ اُسے اِس کا اجر دے گا۔
* جو مصیبت پر صبر کرے گا، اللہ اسے اس کا بدلہ دے گا۔

* جو سنی سنائی باتیں پھیلائے گا، اللہ اس کو رسوا کرے گا۔
* جو شخص تکلیف پر جسارت ظاہر کرے گا، اللہ اس کی تکلیف کو بڑھا دے گا۔
* اور، جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے گا، اللہ اس کو عذاب دے گا۔

غور کی بات ہے کہ ایسی سخت حالات میں درپیش جنگ کے میدان میں بھی اخلاقی تربیت کیسی توجہ سے جاری ہے۔

خطبۂ حج الوداع

سن ۱۰ ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۲۰،۰۰۰ سے ۱۴۰،۰۰۰ تک مسلمانوں کے ہمراہ حج فرمایا۔ اس موقع پر آپ نے میدانِ عرفات میں جو تقریر فرمائی اُسے خطبہ حج الوداع کے نام سے تعلیماتِ اسلام میں امتیازی مقام حاصل ہے۔ اس وقت دعوتِ اسلام پورے جزیرۂ عرب میں قبولیت حاصل کر چکی تھی اور آپؐ نے اس خطبہ میں اپنی حیاتِ مبارکہ آخری مراحل میں ہونے کے خدشے کا اظہار بھی فرمایا۔ اس لیے ارشاداتِ عالیہ کا انداز وصیت اور تاکید کا سا ہے۔ فرمایا:

"لوگو! میری باتیں غور سے سنو کیونکہ شائد اس سال کے بعد اس مقام پر میں پھر تم سے نہ مل سکوں۔ لوگو! اُس وقت تک جب تم لوگ اپنے رب سے جا ملو، تمہارے خون اور تمہارے اموال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارے اِس دِن کی حُرمت ہے اور جیسے تمہارے اس مہینے کی حرمت ہے۔ اور تم جلد ہی اپنے پروردگار سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔ اور میں نے تم تک بات پہنچا دی۔ پس جس کسی کے پاس کوئی امانت ہو وہ اُسے اُس حقدار کو ادا کر دے جس نے امانت تفویض کی، اور تمام سُود ساقط کر دیے گئے، البتہ تم اصل زر کے حق دار ہو۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ سُود نہیں چلے گا، اور میں بحیثیت نمائندۂ مختار اعلان کرتا ہوں کہ عباس بن عبدالمطلب کا سُود سارے کا سارا کالعدم ہے۔ اور دورِ جاہلیت کے خون تمام کے تمام ختم کیے جاتے ہیں، اور سب سے پہلے جس خون کے دعوے کو میں ختم

کرتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے جسے بنی سعد کے ہاں رضاعت کے دوران میں ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔ یہ پہلا معاملہ ہے جس سے میں دورِ جاہلیت کے خون کے دعووں کو ختم کرنے کا آغاز کرتا ہوں۔اور قتلِ عمد کے لیے قصاص ہے، اور عمد کے مشابہ قتل جو لاٹھی یا پتھر سے واقع ہو جائے اُس کے لیے ایک سو اونٹ دیئت ہے۔ پھر جس کسی نے اس میں اضافہ کیا تو وہ اہلِ جاہلیت میں سے ہے۔اے لوگو! اب شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں آئندہ کبھی اُس کی عبادت کی جائے گی ،لیکن یہ ممکن ہے کی اس سے کم درجہ میں اُس کی اطاعت کی جائے۔سو اب وہ تمہارے انہیں اعمال پر مطمئن ہو چکا ہے جنہیں تم معمولی سمجھتے ہو۔پس، اپنے دین کے معاملے میں چوکنّے رہو!اے لوگو! سال کے مہینوں کی ترتیب کو تبدیل کرنا کفر کی روش میں ایک اضافہ ہے، اس حرکت کی وجہ سے وہ لوگ گمراہی میں ڈال دیے جاتے ہیں جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا، جبکہ وہ کسی سال اس حرکت کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام ٹھہرا لیتے ہیں۔اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان مہینوں کی گنتی کو پورا کر لیں جنہیں اللہ نے محترم (حرام) ٹھہرایا ہے۔پس جو کچھ اللہ نے حرام کیا ہے اُسے وہ حلال کر لیتے ہیں اور جو کچھ حلال ٹھہرایا ہے اُسے حرام قرار دے لیتے ہیں۔اور حق یہ ہے کہ آج زمانہ گھوم پھر کر اُسی ڈھنگی حالت پر آ گیا ہے جبکہ اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق کی تھی۔اور اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہی ہے جن میں سے چار مقدس و محترم ہیں، تین متواتر ہیں اور چوتھا رجب ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔اے لوگو! تمہیں اپنی عورتوں پر حق حاصل ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے۔اُن پر تمہارا حق یہ اسے سمجھو۔ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی کو سونے نہ دیں جو کہ تمہارے لیے ناگوار ہے۔اور اُن پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ کھلی کھلی بے حیائی کی مرتکب نہ ہوں۔ پھر اگر وہ ایسا کریں تو ایسی صورت میں اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم انہیں خوابگاہوں میں الگ کر دو۔ان کو صرف اس حد تک بدنی سزا دو کہ بدن پر ضرب کا نشان نہ پڑے۔اس سے اگر وہ سدھر جائیں تو اُن کو معروف طریقے کے مطابق خوراک اور لباس کا حق ہے۔عورتوں کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اُن کے ساتھ بھلائی کا رویہ اختیار کرو کیونکہ وہ تمہارے زیرِ نگیں رکھی گئی ہیں، وہ اپنے لیے خود کچھ نہیں کر

سکتیں اور تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور ان کے جسموں کو اللہ کے
کلمات کے تحت اپنے لیے حلال کیا ہے۔ تمہارے غلام، تمہارے غلام۔ اُن کو وہی کھانا
کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور اُنکو ویسا ہی لباس پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔ پس اے لوگو! میری
بات کو اچھی طرح سمجھو کیونکہ میں نے پیغام پہنچا دیا۔ اور میں نے تمہارے درمیان وہ چیز
چھوڑی ہے جس کا سرا اگر مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تم ابد تک کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے۔
وہ نہائت واضح حقیقت ہے خدا کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت۔ اے لوگو! میری
بات سنو اور سمجھو، اچھی طرح جان لو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور تمام
مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کی طرف سے سوائے
اس کے کوئی چیز روا نہیں جو کچھ وہ اپنی دلی رضا مندی سے اسے دے دے۔ پس باہم دگر ظلم
نہ کرنا۔ اے میرے پروردگار کیا میں نے بات پہنچا نہیں دی؟ لوگوں نے کہا ہاں اے
پروردگار۔ پھر رسولِ پاک نے فرمایا اے پروردگار تو خود گواہ رہیو۔ اے لوگو! بلاشبہ تم سب کا
پروردگار ایک ہے اور بلاشبہ تم سب کے آباواجداد ایک تھے۔ تم سب کے سب آدم سے ہو
اور آدم مٹی سے اٹھائے گئے۔ اللہ کی بارگاہ میں تم میں سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو تم میں
سے زیادہ صاحبِ تقویٰ ہے۔ سن لو! نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی عجمی کو کسی
عربی پر۔ نہ کسی گورے کو کالے پر، نہ کسی کالے کو گورے پر، سوائے اس کے کہ تقویٰ کی
بنیاد پر ہو۔ کیا میں نے بات پہنچا نہیں دی؟ اے اللہ تو گواہ رہیو۔ اور تم لوگوں سے میرے
بارے میں پوچھا جائے گا تو پھر تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً
آپ نے پیغام پہنچا دیا اور امت کو نصیحت فرما دی۔ غبار کو صاف کر دیا اور امانت اس طرح
ادا کر دی جیسے امانت کے ادا کرنے کا حق ہوتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے تین بار فرمایا: اے
اللہ تو گواہ رہیو۔ اے اللہ تو گواہ رہیو۔ اے اللہ تو گواہ رہیو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: " جو
یہاں موجود ہے وہ اُس تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں ہے۔ اے لوگو! اللہ نے ہر
وارث کے لیے میراث میں سے حصہ مقرر کر دیا ہے، اور وصیت ایک تہائی مال سے زائد
کے لیے کرنا جائز نہیں ہے۔ اور بچہ اُس کا جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ اور زانی کے لیے
پتھر۔ اور جس کسی نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور سے منسوب کیا اور اپنے

صاحبِ وِلا کے سوا کسی اور سے تعلق جوڑا تو اس پر اللہ کی طرف سے لعنت ہے، اور فرشتوں کی طرف سے، اور انسانوں کی طرف سے۔ اس جرم کا اِس سے کوئی فدیہ یا عوضانہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت"۔ دیکھ حضرات! کس طرح جملہ تعلیماتِ اسلام کو مختصر اور جامع الفاظ میں سمو دیا۔

خطبہ مسجد خیف

یومِ عرفہ کے بعد منیٰ واپسی پر وہاں مسجدِ خیف میں دیے گئے خطبہ میں آپؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کو خوش وخرّم رکھے جنہوں نے میری بات کو سنا اور اسے یاد رکھا، پھر ایسے لوگوں تک پہنچایا جنہوں نے اسے نہیں سنا۔ کیونکہ حکمت دانائی کے کتنے ہی پیغام بر ایسے ہوتے ہیں جو اس کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ اور حکمت کے کتنے ہی پیغام بر ایسے لوگوں تک اسے پہنچاتے ہیں جو خود اُن سے زیادہ سمجھ بوجھ کے مالک ہوتے ہیں۔ تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں ایماندار آدمی کے دل میں کینہ راہ نہیں پاتا: اُن سے خطاب میں بھی ان تین تقاضوں کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے: ۱۔ خالصتاً اللہ کے لیے کوئی عمل کرنا۔ ۲۔ اربابِ اقتدار کے لیے خیر خواہی۔ ۳۔ نظمِ جماعت کا سرا تھامے رکھنا۔ اور جس کی فکر آخرت کے لیے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جمع کرتا ہے اور اس کے دل میں بے نیازی پیدا کر دیتا ہے، اور دنیا از خود اسکے پاس کھنچی چلی جاتی ہے۔ اور جس کی فکر دنیا کے لیے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے معاملے کو پراگندہ کر دیتا ہے اور اس کی محتاجی کو اس کی آنکھوں کے سامنے عیاں کر رکھتا ہے، اور اُسے دنیا میں سوائے اس کے کچھ نہیں ملتا جو اسکے لیے لکھا جا چکا ہے"۔

تو حضراتِ محترم! میں نے اپنی بساط کے مطابق حیاتِ نبوی ﷺ کے ایک پہلو، تعلیم و تربیت، کو آپ کے سامنے تازہ کیا۔ شائد کچھ فائدہ ہو۔ **اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آلِ محمد۔ کما صلّیت علیٰ براھیم و علیٰ آلِ ابراھیم، انک حمیدُ مجید۔**

آخر میں آپ کے صحابی شاعر حضرت حسان بن ثابت کی ایک نعت سے دو شعر پڑھ کر ثواب [illegible] میں شامل ہوتا ہوں:

اَحسَنَ مِنکَ لَم تَرَقَطُّ عَینی میری آنکھوں نے کبھی آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا
وَاَجمَلَ مِنکَ لَم تَلِدِ النِّسَاءُ عورتوں نے آپ سے زیادہ کوئی صاحبِ جمال نہیں جنا
خُلِقتَ مُبَرَّئً مِن کُلِّ عَیب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا
کَاَنَّکَ قَد خُلِقتَ کَمَا تَشَاء جیسے آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق پیدا کیا گیا ہو

****

چوتھا باب

وَرَفَعنا لکَ ذِکرَک

اور ہم نے آپ کے نام کو دائمی رفعت و بلندی عطا کر دی ہے

(سیرۃ النبی ﷺ کا ایک گوشہ)

حضور نبیِ آخر الزمان ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر بے جا اعتراضات اور ان کے جوابات

بے بنیاد تنقید کی مہم جوئی

فلوریڈا امریکہ کے ایک غیر معروف چرچ کے پادری ٹیری جونز نے اولاً ۲۰۱۰ء میں قرآن پاک کے نسخے اکٹھے کیے اور آگ لگائی۔ اگرچہ بہت کم لوگ یہ واہیات کاروائی دیکھنے آئے اور اکثر اہم حکومتی عہدیداروں نے اس کی مذمت کی لیکن اس نے ٹی وی اور اخبارات میں خوب تشہیر کی جس سے مسلمانوں کے دل پوری دنیا میں مجروح ہوئے، احتجاج کیا گیا لیکن آزادیِ اظہار کے نام سے حکومت نے بے بسی کا اظہار کر دیا۔ اس بے عملی کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ اس نے Innocence Of Muslims نامی دل آزار فلم کی تیاری میں بے خوف ہو کر حصہ لیا اور ایک مصری عدالت نے نومبر ۲۰۱۲ء میں اسے سزائے موت سنادی ہے۔ اب اس نے ۱۱ ستمبر ۲۰۱۳ء کو پھر قرآن حکیم کے نسخے جلانے کا اعلان کر دیا ہے۔ امریکی صدر، مسز کلنٹن اور تمام عہدیداروں نے موثر الفاظ میں اس کی مذمت تو کی ہے لیکن عملی طور پر اس کا ہاتھ روکنے کا کوئی عزم سامنے نہیں آ رہا۔ بہانہ یہ ہے کہ آزادیِ رائے کا قانون اسے یہ حق دیتا ہے۔ حالیہ سالوں میں تواتر کے ساتھ دل آزار تحریریں، کارٹون اور فلم سامنے آنے سے مسلمانانِ عالم کے دلوں میں دکھ اور صدمے کی کیفیت ہے، اور آزادیِ اظہار کے نام پر ان کی حکومتوں کی بے عملی سے بعض لوگ ان حرکات کو "مغربی معاشرہ" کی اجتماعی جسارت سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان اپنے بزرگوں اور بالخصوص دینی رہنماؤں کی بے ادبی سے تڑپ اٹھتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ یہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے۔ صحت مند دماغ ایسی حرکت کا سوچ بھی نہیں سکتا لیکن کوئی انسانی معاشرہ بیمار ذہنوں سے خالی نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ گالی دینا دلیل کی شکست اور بے بسی کا ثبوت ہے۔ چنانچہ حالیہ حرکات ایسی ہی ذہنیت کی عکاس ہیں۔ البتہ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اعتراضات ہوتے آئے ہیں، اور ہمیں ان کی حقیقت سے بھی آگاہ رہنا چاہیے۔ مسلمانوں کے دلوں سے رسول اللہ ﷺ کی بے پایاں محبت میں کمی کرنے کی یورپین مہم ۸۰۰ء کے بعد شروع ہوئی اور مختلف انداز میں اب تک جاری ہے۔ آجکل بھی کفار کا مسئلہ یہی ہے کہ اسلام کی ابدیت اور عالمی اپیل کا تاثر زائل کرنے کی خاطر کرائے کے ضرورت مند لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان سے کارٹون اور فلمیں اور دل آزار تحریریں تخلیق کرواتے رہتے ہیں۔ اس کا حل یہی ہے کہ مسلمان حقائق سے آگاہ رہیں۔

اعتراضات

تاریخ میں جتنے معروف فلسفی اور انبیاء گزرے ہیں سب کے ساتھ مزاحمت اور اعتراضات کا رویہ رکھا گیا، جیسے سقراط کو صرف اس لیے سزائے موت دے دی گئی کہ (۱) اس نے مروجہ خداؤں کا انکار کیا تھا، اور (۲) نئے دیوتاؤں کا تصور دیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ایک نیا مذہب پیش کرنے پر جان سے گیا۔ عہدِ ارواح کی یاددہانی کے ساتھ ساتھ اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ فالھمھا فجورھا وتقوٰیھا یعنی ہم نے انسان کے دل میں برائی اور نیکی کا شعور ودیعت کیا ہوا ہے۔ اِس کو فطرت بتا دیتی ہے کہ یہ بات درست ہے اور یہ غلط۔ اس کے باوجود انبیاء کرام کے متعلق ہم جانتے ہی ہیں کہ اکثر کو جھٹلایا گیا اور ایسے ہی عذرِ لنگ پیش کیے گئے۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیم، حضرت لوطؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت یونسؑ، حضرت ذوالکفلؑ، حضرت زکریاؑ، اور حضرت عیسیٰؑ، سب کو کیسی کیسی مزاحمت اور اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر بھی اعتراضات آج شروع نہیں ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس پر کیے جانے والے اعتراضات تین اقسام میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ آپ کی نبوت کے انکار کی خاطر خواہ مخواہ کے اعتراضات

۲۔ اسلام کو تشدد کا مذہب قرار دینے کا پروپیگنڈہ

۳۔ تعدد ازدواج پر اعتراض

اس مضمون میں ان تینوں نوعیت کے اعتراضات اور اصل حقائق کا جائزہ لیا جائے گا۔

مکی دور کے اعتراضات

بعثت کے انکار کی خاطر خواہ مخواہ کے اعتراض

بعثت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعوتِ توحید ملتے ہی کفار مکہ نے بھی مزاحمت کے علاوہ اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی لیکن خود ہی منہ کی کھاتے رہے۔ یہ جانتے اور سمجھتے ہوئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھوٹ بات نہیں کہہ سکتے اور نہیں کہہ رہے، سردارانِ مکہ نے آپ کی نبوت کا انکار محض اس وجہ سے کیا (ابوجہل نے بزبانِ خود دو صحابیوں کے روبرو یہ اقرار کیا) کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات تسلیم کرتے ہیں تو اطاعت کرنا پڑے گی جو اُن کی اکڑ کو برداشت نہ تھی۔ بس اِس انکار کے جواز کی خاطر کبھی یہ عذر گھڑتے کبھی وہ اعتراض داغتے، چاہے کتنا ہی بودا کیوں نہ ہو۔ دراصل یہ لوگ سنجیدہ نہیں ہیں۔ ان کا مقصد محض استہزاء اور اعراض ہوتا ہے۔

جب ان کو توحید، رسالت اور قیامت پر ایمان لانے کا کہا گیا تو
پہلے کہنے لگے " کیا ہم بھی بے وقوف لوگوں کی طرح ایمان لے آئیں؟" (بقرہ۔ ۱۳)
پھر کہا کہ اگر تمہیں آیات دے کر بھیج سکتا ہے تو خود ہمارے ساتھ اللہ کلام کیوں نہیں کرتا (بقرہ۔ ۱۱۸)۔
پھر حجت بازی کی کہ فرشتہ ہمارے اوپر کیوں نازل نہیں ہوتا (الحجر۔ ۷)۔
کبھی کہا **لولا انُزِل علیہِ ملَک** (الانعام۔۸)۔ فوراً جواب آیا کہ اگر ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو پھر فیصلہ بھی ہو چکا ہوتا اور انہیں مہلت ہی نہ ملتی۔
پھر اعتراض آیا کہ جی ان پر یا ان کے ساتھ اللہ نے اپنی کوئی خاص نشانی کیوں نازل نہیں کی؟
کبھی کہتے کہ یہ تو پرانے لوگوں کی کہانیاں سناتے ہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب دے دیا" ہرگز نہیں، بلکہ ان لوگوں کے اعمالِ بد کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ پڑ گیا ہے۔ یہ اُس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائینگے " (مطففین۔ ۱۳)۔
کبھی کہتے اگر اللہ چاہتا تو ہم سرے سے شرک کا ارتکاب ہی نہ کرتے (انعام۔ ۱۴۸)۔

اُن کے بڑے بڑے لوگ کہنے لگے کہ آپ تو گمراہ ہو گئے ہیں۔اس پر آئت نازل ہوئی کہ فرما دیجئے لیس بی ضلاله، ولٰکنی رسول من ربّ العلمین۔ ارے میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ سارے جہانوں کے رب نے خود مجھے نمائندہ بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے (الاعراف۔٦١)۔

کبھی کہا گیا کہ آپ کی باتیں کاہنوں جیسی ہیں، اور جب چیلنج کیا گیا کہ تمہیں جو اپنی قدرتِ زبان پر اتنا ناز ہے تو چلو تم ایک آیت ہی بنا کر لے آؤ تو ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے (بقرہ۔ ٢٣)۔

کبھی کہتے کہ تم کیسے پیغمبر ہو جو ہمارے جیسے ہی آدمی ہو۔

پھر کہا ان کے پیروکار تو صرف غرباء ہیں لیکن جب حضرت ابوبکر جیسے تاجر کے علاوہ حضرت عثمان غنیؓ جیسے رئیس اور حضرت عمر فاروق جیسے سردار اسلام لے آئے تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور آپ کو جادوگر کہنے لگے۔

جب ایک گھر سے کوئی فرد آپ کی دعوت پر لبیک کہہ دیتا تو کہتے کہ یہ تو خاندانوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔

پھر کہا گیا کہ اقتدار کے بھوکے ہیں۔لیکن جب دولت، رشتوں اور حکومت کی پیشکش آپؐ نے پائے حقارت سے ٹھکرا دی تو مجنون کہنا شروع کر دیا۔اس خطرناک الزام پر پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود قرآنِ حکیم میں صراحت فرما دی کہ "وَما صاحِبُکم بِمجنونٌ" تم لوگوں کے یہ ساتھی مجنون نہیں ہیں (التکویر۔ ٢٢)۔

اعتراضات کے لئے اُن کی دانست میں ایک بڑا ہتھیار اُن کے ہاتھ تب لگا جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج کے شرف سے نوازا۔تسلیم کرنے کی بجائے تمسخر اڑاتے ہوئے جا کر بازار میں جا کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہنے لگے کچھ سنا تم نے! تمہارا دوست کہہ رہا ہے کہ بیت المقدس اور سارے آسمانوں کی رات کے ایک پہر میں سیر کر آیا ہوں۔یہی وہ لمحہ تھا جب ابوبکرؓ بے ساختہ کہہ اٹھے کہ اگر محمدؐ نے یہ کہا ہے تو اللہ کی قسم سچ ہے۔ یہ کہا اور قیامت تک کے لئے صدیق کے اعزاز سے ملقّب ہو گئے۔اس پر گردنیں جھکا کر بڑبڑاتے ہوئے واپس ہوئے اور بالآخر آپ کی جان لینے کا فیصلہ کیا جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔اللہ تعالیٰ یثرب کو مدینۃ النبی بننے کے لیے منتخب فرما چکا تھا۔

ہجرت کے بعد کے اعتراضات

(ا) اپنے متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح پر اعتراض:

جس کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے دے دیا اور اس کی تفصیل میں آگے جا کر بیان کروں گا۔ دوسرا رسم کبیسہ وِنَسیُ کی تنسیخ پر۔ قبل از اسلام رواج تھا کہ ہر تین سال بعد ایک ماہ کا اضافہ کر کے تیرہ ماہ کا سال کر لیتے۔ قمری سال کو شمسی موسموں کے مطابق کرنے کے لئے تین سال بعد اس میں "کبیسہ" کا ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے تا کہ حج ہمیشہ ایک جیسے موسم میں آتا رہے اور وہ اُن زحمتوں سے بچ جائیں جو قمری حساب کے مطابق مختلف موسموں میں حج کے گردش کرتے رہنے سے پیش آتی تھیں۔ (اس کو ہم لیپ کے سال میں ایک دن کے اضافہ کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں)۔ اس کے ساتھ ایک اور بڑی خرابی یہ پیدا ہو چکی تھی کہ کبھی کبھی جنگ وجدل، غارت گری یا خون کا انتقام لینے کی خاطر بھی کسی حرام مہینے کو حلال قرار دے لیتے تھے اور اس کے بدلے میں کسی حلال مہینے کو حرام کر کے حرام مہینوں کی تعداد پوری کر لیتے تھے۔ یہ نظامِ قدرت میں کھلی مداخلت تھی اور اس سے حج ۳۳ سال تک اپنی اصل تاریخ کی بجائے دوسرے دنوں میں آتا تھا اور صرف چونتیسویں سال میں ایک مرتبہ اپنی اصل تاریخ یعنی ذوالحج کی ۹ تاریخ کو آتا۔ سن ۱۰ ھ میں سورۃ توبہ کی آئت نمبر ۳۶ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نسی کو **انما النَسِیئُ زیادۃ فی الکفر** کہہ کر واضح الفاظ میں منسوخ کر دیا۔ اللہ نے بارہ مہینے ہی بنائے ہیں۔ خطبہِ حجۃ الوداع میں حضور علیہ السلام نے بھی یہی فرما دیا کہ **"ان الزمان قد استدار کھَیئتہ یوم خلق االلہ السمٰوٰت والارض**۔ یعنی اس سال حج کا وقت گردش کرتے کرتے ٹھیک اپنی اس تاریخ پر آ گیا ہے جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے"۔ چنانچہ اب ہم ہمیشہ ۹ ذوالحج کو ہی حج کیا کریں گے اور وہ مختلف موسموں میں آیا کرے گا، کبھی سردیوں میں، کبھی بہار میں اور کبھی گرمیوں میں۔ نسی کی تنسیخ سے عرب سرداروں کی ایک بہت بڑی خود ساختہ سہولت ختم ہو گئی چنانچہ اس پر بہت لے دے ہوئی لیکن اس وقت تک مشرکوں کا زور ختم ہو چکا تھا اور تنسیخ برقرار رہی۔ اب قمری سال قانونِ قدرت کے مطابق ہمیشہ بارہ مہینوں کا ہی ہوا کرے گا۔ (حوالہ: تفہیم القرآن، تفسیر آیت نمبر ۳۶ سورۃ توبہ)۔

(۲) تشدد کا مذہب:

ایک الزام بہت کثرت سے لگایا جاتا ہے کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے۔ تاریخ سے ناواقف معترض بنو قریظہ کے قتل کو اس سلسلہ کا ایک بڑا ثبوت بنا کر بیان کرتے ہیں حالانکہ وہ دورانِ جنگ غداری کے مرتکب ہوئے اور ان کے حلیف قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کے ثالثی فیصلہ کے نتیجہ میں کیفرِ کردار کو پہنچے۔ جنگِ خندق سے بڑی آزمائش مسلمانوں پر اور کوئی نہیں آئی۔ سارا عرب دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہو گیا تھا اور بنو قریظہ مدینہ میں بیٹھ کر حملہ آوروں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی تیاری کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو آگے سے کھلے دشمن اور پیچھے سے ان غداروں کا سامنا تھا اور چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کی کیفیت کو قرآنِ حکیم سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۱۰ میں اس طرح بیان فرمایا ہے، "(یاد کرو وہ وقت) جب دشمن اوپر کی طرف سے اور نشیب کی طرف سے آپڑے اور جب آنکھیں ڈولنے لگیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم خدا کی طرف طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے، اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں ڈال دیئے گئے"۔ وہ تو اللہ بھلا کرے حضرت سلمان فارسی کا کہ خندق کی تجویز دی، اور حضرت نُعیم بن مسعودؓ کا کہ انہوں نے بنو قریظہ اور بنو غطفان کا گٹھ جوڑ توڑ دیا، ورنہ بنو قریظہ کی غداری سے مسلمانوں کا نہ جانے کیا حال ہو جاتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کو نامراد واپس لوٹا دیا تو قدرتی طور پر اِن غداروں کا احتساب لازم تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے کوئی یک طرفہ کاروائی کرنے کی بجائے ان کے حلیف مسلمان قبیلہ کو اختیار دیا کہ اپنا کوئی معزز رکن ثالث مقرر کر کے اِن کا فیصلہ کریں۔ اور اِس طرح حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کے مطابق ان کو سزا دی گئی۔

رسولِ کریم کی ذات تو تھی ہی سراپا رحمت۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ حکیم میں واضح لفظوں میں فرمایا کہ:

وما ارسلنک الا رحمۃ للعٰلمین ہم نے تو آپ کو بھیجا ہی تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہے۔ رسولِ اکرم کی زندگی کا مجموعی تاثر عفو، درگزر، محبت اور رحم کا ہے۔ اگر آپ تشدد کے داعی ہوتے تو آپ کے ساتھی آپ کے فدائی بن کے نہ رہتے۔ ایسے فدائی کہ پسینہ کا قطرہ

بھی زمین پر نہ گرنے دیتے۔ اگر نبیِ رحمت ﷺ تشدد پرور ہوتے تو تاریخِ آدم میں پہلی دفعہ ایسے جنگی احکام جاری کیوں فرماتے کہ عام فوجوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا، خیانت اور دھوکا دہی نہ کرنا، تنہا شخص کو قتل نہ کرنا، کسے خادم، عورت، بوڑھے یا بچے کو قتل نہ کیا جائے، مقتولین کے اعضاءِ بدن نہ کاٹے جائیں (حالانکہ یہ عرب میں عام تھا)۔ گرجوں میں مقیم راہبوں کو نہ چھیڑنا، کھجور اور پھل دار درختوں اور فصلوں کو تباہ نہ کرنا اور کسی گھر کو نہ گرانا۔ بالخصوص بچوں کے قتل سے بار بار منع فرمایا۔ (**مسلم، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اورمغازی الواقدی**)۔ جب جنگِ بدر میں عتبہ کا نوعمر مسلمان بیٹا ابوحنظلہ باپ کے مقابلہ میں جانے پر بضد تھا تو آپ اُس کو اجازت دینے سے انکار نہ فرماتے۔ حکم ہے کہ جو میدانِ جنگ سے بھاگ جائے اسے جانے دیا جائے، جو ہتھیار رکھ دے اسے چھوڑ دیا جائے اور جو اپنی عبادت میں مصروف ہو اسے نہ چھیڑا جائے۔ اگر کوئی بے گناہ غیر مسلم غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کا فدیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ تلوار اٹھانے کی اجازت ملی بھی تو ان الفاظ میں کہ جن پر ظلم روا رکھا جاتا رہا، اب اُن کو بھی تلوار اٹھانے کی اجازت ہے۔ کفارِ مکہ کے خلاف تلوار اُس وقت اٹھائی گئی جب چودہ سال تک مسلسل ظلم جبر اور تشدد، شہر بدری اور ملک بدری جیسی اذیتیں برداشت کرتے کرتے مسلمان تنگ آ گئے۔ اگر مسلمان متشدد ہوتے تو جو علاقے لڑائیوں کے بعد فتح ہوئے وہاں کے لوگ نفرت کی بجائے محبت نہ کرنے لگتے اور جوق در جوق مسلمان ہونا شروع نہ کر دیتے۔ یہ اسلامی تعلیمات کا حسن ہے جو انسانی شرف کا لحاظ سکھاتا اور مہذب معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اس برق رفتاری سے پھیلا کہ تاریخِ انسانی اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ آج غیر مسلم اقوام جنگوں یں ناقابلِ وضاحت بڑے بڑے جرائم کر رہی ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں سے صرف ۱۲۶ دن جنگی مہمات میں گزرے، وہ بھی اکثر مشرکوں کی طرف سے شروع کی گئیں۔ مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہی مدینہ پہنچنے کے ۹ یا ۱۰ ماہ بعد اُس وقت ملی جب مشرکینِ مکہ مدینہ میں بھی مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ آپؐ کی زندگی میں غزوات کی کل تعداد ۲۷ ستائیس ہے اور جو فوجی دستے بھجوائے گئے ان کی تعداد ۶۰ ساٹھ تک پہنچتی ہے (بعض روایات میں کل مہمات ۸۷ نہیں بلکہ ۸۲ ہیں) اس کے باوجود ان

غزوات اور مہمات میں انسانی جنگوں کی تاریخ میں سب سے کم خون بہایا گیا اور ان تمام غزوات اور مہمات میں فریقین کے مقتولین کی کل تعداد صرف (۱۰۱۸) ایک ہزار اٹھارہ تک پہنچتی ہے اور مسلمان شہدا کی تعداد ۲۵۹ ہے۔اس کے مقابلہ میں غیر مسلم اقوام کی باہم جنگوں میں وکی پیڈیا کے مطابق ہلاکتوں کی تفصیل ملاحظہ کریں:

کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے مابین

۳۰ سالہ جنگِ یورپ میں:	پچاس لاکھ ہلاکتیں
پہلی جنگِ عظیم :	ایک کروڑ ساٹھ لاکھ اموات اور دو کروڑ زخمی وا پاہج
دوسری جنگِ عظیم :	چھ کروڑ ہلاکتیں۔(اس وقت کی عالمی آبادی کا چوتھا حصہ)
ناگاساکی اور ہیروشیما:	دو لاکھ چالیس ہزار اموات صرف ایٹم بم سے
کمیونسٹوں کے ہاتھوں مزدوروں اور کاشتکاروں کی ہلاکتیں:	دس کروڑ
ویتنام کی جنگ :	پانچ لاکھ ہلاکتیں
بوسنیا کوسوو کی لڑائی :	پانچ لاکھ اموات
عراق پر حملہ :	بارہ لاکھ اموات
افغانستان پر حملہ میں :	لاکھوں کی تعداد میں (صحیح اعداد مجھے ابھی میسر نہیں)

کیا اب بھی یہ کہیں گے کہ مسلمان جنگجو ہیں؟

مکہ میں کیا کیا ظلم اور زیادتی مسلمانوں کے ساتھ روا نہیں رکھی گئی ،لیکن جب مکہ فتح کیا تو مسلمانوں نے کتنے قتل کیے؟ ایک بھی نہیں ماسوائے ان دو چار لوگوں کے جنہوں نے خود تلوار اٹھائی اور جنوب میں ایک مقامی جھڑپ میں مارے گئے۔ فتح کا جھنڈا لہرانے کے بعد کعبۃ اللہ میں بت گرانے کے بعد کیا اعلان فرمایا؟ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا"

جاؤ۔ آج تم پر کوئی گرفت نہیں"۔ یہود و نصاریٰ لا سکتے ہیں کوئی ایک بھی ایسی مثال اپنی تاریخ سے۔ دراصل آج کے معترض جاہلِ مطلق ہیں۔ اپنی حیوانی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ کوئی اعلیٰ مقصد ان لوگوں کے پیشِ نظر ہے ہی نہیں اور ان کی ساری محنت اور تحصیلِ علم

بھی صرف جنس اور پیٹ کی بے محابا بھوک مٹانے تک محدود ہے یا پھر عالمی وسائل پر ظالمانہ قبضہ کی تگ ودو تک ۔ یہ لوگ نہ تاریخ سے واقف ہیں نہ اُس دور اور اس علاقہ کے کلچر سے ۔ ان کے اعتراضات کی کوئی عقلی بنیاد موجود ہی نہیں ہے ۔

(۳) تعدد ازواج پر اعتراض

اسی طرح ان کا پسندیدہ اعتراض حضور اکرم ﷺ کی شادیوں پر ہے ۔ پہلے بیان کئے گئے اعتراضات کے باوجود آپ کی ذاتِ گرامی پر تعدد ازواج کے حوالہ سے آ پکی زندگی میں ایک بھی اعتراض نہیں ہوا ۔ اگر یہ اعتراض کوئی وزن رکھتا تو آپ کے جانی دشمن مشرک اور یہود تو یہ اعتراض لے کر شور مچا دیتے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ آپ کے صدیوں بعد تک یہ اعتراض کہیں سے اٹھایا ہی نہیں گیا ۔ کیونکہ جو آپؐ کے متعلق کچھ بھی جانتا تھا وہ اس ماحول کے بارے میں بھی شناسا ہوتا تھا ۔ آجکل بے خبر اور غیر اہم لوگوں کی طرف سے اٹھایا جانے والا یہ اعتراض گالی گلوچ کے سوا کچھ نہیں ۔ اور اس کا جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں ، تا ہم پہلے ان لوگوں کے اکابر کی مثالیں پیش کرتا ہوں : برصغیر کا قدیم ترین مذہب ہندومت ہے ۔ اِن کے

رام چندر جی کے والد مہاراجہ دسرت کی : تین بیویاں تھیں

۱ ۔ پٹ رانی کوشلیا : یہ رام چندر جی کی والدہ تھیں

۲ ۔ رانی سمِتھرا : یہ لکشمن جی کی والدہ تھیں

۳ ۔ رانی کیکئی : یہ بھرت جی کی والدہ تھیں

ہندوؤں کے نہایت معتبر راوی لالہ لاجپت رائے کے مطابق ، اِن کے اولوالعزم اوتار

شری کرشن جی کی : ۸ بیویاں تھیں ۔

راجہ پانڈو کی دو بیویاں تھیں : کنتی اور ماوری

راجہ شنتن کی دو بیویاں تھیں : گنگا اور سیہ وتی

پچھتر اِیرج کی بھی دو بیویاں تھیں : امیکا اور امبالکا ۔ ان کے علاوہ ایک لونڈی بھی تھی ۔

اب الہامی مذاہب کے پیغمبرانِ کرام کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں : سیدہ سارہ، سیدہ ہاجرہ، اور قطورہ خاتون

حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں : لیاہ، زلفہ، راحیل (راخل) اور بلبہ

حضرت موسیٰؑ کی چار بیویاں تھیں : کوزہ، حبشیہ، بنتِ حباب، اور بنت قبنی

حضرت داوٗدؑ کی ۹۹ بیویاں تھیں : (بعض روایات کے مطابق)

حضرت سلیمانؑ کی بہت زیادہ بیویاں تھیں : صحیح تعداد مجھے میسر نہیں ہوئی۔

اسطرح ہزاروں سال سے ہندو، عیسائی اور یہودی مذاہب کے انبیاء کرام کے ہاں بھی تعددِ ازواج کی مثال موجود ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری جوانی، پچیس سے پچاس سال تک کی عمر، خود سے پندرہ سال بڑی خاتون کے ساتھ گزار دی جو آپ سے پہلے دو شوہروں سے بیوہ تھیں اور ان کی اولاد کی ماں تھیں۔ اس دور میں کبھی آپ کے اخلاقِ عالیہ پر انگلی تک نہ اٹھی بلکہ ایک اعلیٰ ترین معیار کا تقدس آپ کی ذات سے وابستہ رہا۔ ساری اولاد سوائے ابراہیم کے حضرت خدیجہ کے بطن ہی سے تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت تین جوان بیٹیاں گھر میں تھیں (ایک کی شادی ہو چکی تھی) تو آپ نے ایک سنجیدہ بیوہ حضرت سودہؓ کے ساتھ نکاح فرمایا۔ ہاں اپنے پیارے ہمدم اور دوست کی دختر، نیک اختر جو نو عمر تھی، جب اس کی تجویز آئی تو قدرے حیرت کے ساتھ اس رشتہ کو قبول فرما کر اپنے عزیز ترین دوست کی دوستی کو مضبوط کیا۔ چار برس بعد حضرت عائشہ صدیقہ کی بلوغت کے بعد مدینہ جا کر ان کی والدہ ان کو حضورؐ کے گھر چھوڑ کر آئیں۔ ذرا اس نکاح کی مصلحت پر غور کیجیے۔ خواتین کے متعلق کتنی کثیر تعداد میں احادیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہیں۔ مدینہ جا کر سن ۲ ہجری میں جب دوسرے دوست حضرت عمر بن خطاب کی دختر حفصہ بیوہ ہو گئیں تو کیا آپ کو معلوم ہے ان سے نکاح

کیسے ہوا؟ حضرت عمر نے حضرت عثمان و ابوبکر صدیق جیسے دوستوں سے ان کے رشتے کے لیے ذکر کیا۔ حضرت حفصہ طبیعت کی ذرا تیز تھیں۔ کچھ عرصہ کوئی پیغام نہ آنے پر حضرت عمر متفکر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضورِ اکرم سے تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر کیوں پریشان ہوتا ہے۔ میرا پیغام دے دو۔ اس طرح یہ چوتھی شادی ہوئی۔ عبداللہ ابنِ جحش آپ کے پھوپھی زاد تھے۔ سن ۳ ہجری میں جنگِ احد میں اُن کی شہادت ہوگئی اور اُن کی بیوہ حضرت زینب ام المساکین ۳۰ سال کی عمر میں تنہارہ گئیں تو آپ نے ان کو نکاح میں لے کر گھر اور سہارا مہیا کیا۔ جس کو معلوم ہو کہ عرب معاشرہ میں بیوہ کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا، اس کو آسانی سے سمجھ آجائے گی۔ اسی طرح ۳ھ میں جنگِ احد میں حضرت ابوسلمہ بھی شہید ہوگئے تو ام سلمہ ۲۴ سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں۔ ایک سال بعد حضور ﷺ نے خود نکاح فرما کر آپ کو سہارا اور عزت بخشی۔ حضرت ام سلمہؓ اولین اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھیں اور پہلی ہجرتِ حبشہ میں بھی شامل تھیں۔ یہ حضور علیہ السلام کی چھٹی شادی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک اور مسئلہ پیدا ہوگیا۔ حضرت زینب بنت جحش آپ کی پھوپھی زاد، اور قبیلہء قریش سے تھیں۔ آپؐ نے خود ان کا نکاح اپنے وفادار غلام اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ سے کیا تھا۔ آپ بے حد حسین و جمیل اور سنجیدہ خاتون تھیں لیکن حضرت زید اگرچہ ایسے سرخ و سفید تھے کہ مدینہ میں لوگ انہیں برف کے رنگ والا کہتے، لیکن وہ حضورؐ کے غلام رہ چکے تھے، اور آپؐ نے اپنی حبشی النسل خاندانی خادمہ حضرت اُمّ ایمن کو بھی آزاد کر کے ان کے عقد میں دے دیا ہوا تھا (جن کے بطن سے مشہور صحابی اسامہ بن زید تولد ہوئے)۔ بس ان حالات میں حضرت زینب کا حضرت زید کے ساتھ نباہ نہیں ہوا۔ نبی اکرمؐ نے ان میں صلح کی بہت کوششیں کیں لیکن جب ان میں طلاق ہو ہی گئی تو آپ نے اللہ کے حکم سے ان کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس پر شور ضرور اٹھا لیکن یہ نہیں کہ اتنی شادیاں کیوں کرتے ہیں بلکہ یہ اعتراض ہوا کہ اپنے متبنی کی مطلقہ سے نکاح کیوں کیا۔ عربوں میں یہ رسم نہیں تھی۔ وہ متبنیٰ کی بیوہ یا مطلقہ کو اپنے بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ کی طرح حرام سمجھتے تھے۔ اس نکاح میں یہی مصلحت تھی کہ یہ جاہلانہ رسم مٹادی جائے جو آپ کے خود عمل کرنے سے ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اور اس کی تائید میں جو وحی نازل ہوئی اُسی میں آپ کے

آخری نبی ہونے کی بھی تصدیق کی گئی کہ اگر آپ بھی اس غلط رسم کو ختم نہ کرتے تو آپ کے بعد اور کوئی نبی تو آنا نہیں اس طرح یہ رسم تا قیامت چلتی جاتی۔ اس کے بعد سن ۵ ھ میں مسلمان بنو مصطلق پر غالب آئے تو قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی برّہ بیوہ ہو گئیں اور جنگی قیدی بن کر ایک مجاہد کے حصہ میں آئیں۔ اِنہوں نے اُس مجاہد کے ساتھ مکاتبت طے کر لی اور حضورِ اکرم کے پاس اُسے ادائیگی کرنے کے لیے مالی امداد کی طلبگار ہوئیں۔ حضورؐ نے مکاتبت کی رقم ادا کر کے آپ کو آزاد کروایا، اور ان کی خاندانی نجابت کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اسلامی نام جویریہ رکھا۔ یہ نکاح ہو جانے پر مسلمانوں نے ان کے قبیلہ کے سارے ۱۰۰ سے زائد قیدی آزاد کر دیے۔ اس عزت افزائی کا اثر یہ ہوا کہ جس قبیلہ نے مسلمانوں کو زچ کیا ہوا تھا اس نکاح کے بعد یہ قبیلہ کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوا بلکہ حضرت جویریہؓ کے والد نے خود بھی قزاقی چھوڑ کر متمدن زندگی اختیار کر لی۔ اس طرح یہ نکاح بھی عظیم تر ملی مفاد کا باعث بنا۔ اگلے سال سن ٦ ہجری میں بنو قریظہ مغلوب ہوئے تو حضرت ریحانہ بھی جنگی قیدیوں میں شامل ہو کر آئیں۔ آپؐ نے ان کو آزاد فرما کر بارہ اوقیہ سونا حق مہر کے عوض ان سے نکاح فرمایا۔ (ان کے نکاح کے قائل صرف دو مورخ ہی ہیں باقی سیرت نگاران کو باندی ہی سمجھتے ہیں)۔ اسی سال سن ٦ ھ میں حضور کے مکتوب کے جواب میں مصر کے حاکم نے حضرت ماریہ قبطیہ کو آپ کی خدمت میں بطور تحفہ بھجوایا۔ حضور علیہ السلام کو اللہ نے ان کے بطن سے فرزند عطا فرمایا جس کا نام آپ نے بڑے شوق سے اپنے جد امجد کے نام پر ابراہیم رکھا۔ سن ٦ ہجری میں آپ نے حضرت اُمِّ حبیبہ سے بھی نکاح فرمایا۔ سردارِ قریش اور دشمنِ اسلام ابوسفیان کی یہ بیٹی اولین مسلمانوں میں اور ہجرتِ حبشہ میں شامل تھیں۔ وہاں جا کر ان کا شوہر عبداللہ عیسائی ہو گیا تو اِنہوں نے عیسائی ہونے سے انکار فرما کر طلاق حاصل کر لی اور بے وطنی کی حالت میں اپنی کم سِن بیٹی حبیبہ کے ساتھ حبشہ میں مقیم تھیں۔ حبشہ کے بادشاہ نے حضورؐ کو ان کے کوائف سے آگاہ کیا تو آپ نے ان کی عزت افزائی اس طرح فرمائی کہ خود نکاح کا پیغام بھجوا دیا۔ اس نکاح کے بعد ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف عملی جارحیت بند ہو گئی اور مسلمانوں کو بالآخر فتح مکہ نصیب ہوئی۔ یہ تھی عظیم مصلحت اس نکاح میں۔ اگلے برس

سن ۷ ہجری میں یہود کا قلعہ خیبر جب زیرنگیں ہو گیا تو وہاں کے سردار حُیی ابن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ جنگی قیدی بن کر بطور لونڈی ایک فوجی وحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔ لیکن جب صحابہ نے آنجناب کو بتایا کہ یہ تو رئیسِ خیبر کی صاحبزادی ہیں ایک سردار کی بیوہ ہیں اور عزت افزائی کی مستحق ہیں، تو آپ نے حضرت صفیہ کو اپنے نکاح میں لے کر عزت بخشی۔ اب بتایئے کسی کے مرتبہ کا احساس کرنا نجابت و شرافت ہے یا کچھ اور؟ اسی طرح اہلِ نجد نے ۷۰ مسلمان معلمین کو دھوکے سے اپنے علاقہ میں لے جا کر قتل کر دیا تھا اور اس کے علاوہ بھی نقضِ امن اور فساد انگیزی کرتے رہے تھے۔ لیکن جب سن ۷ ہجری میں اسی قبیلہ سے تعلق رکھنے والی حضرت میمونہ کو طلاق ہو گئی تو حضورؐ نے انہیں اپنے عقد میں لے لیا۔ یہ حضرت عباس کی سالی تھیں اور ان کی ایک بہن سردارِ نجد کے نکاح میں بھی تھیں، چنانچہ حضرت میمونہؓ سے نکاح کے بعد اہلِ نجد کی طرف سے امن ہو گیا اور اس نکاح نے ملک بھر میں صلح، امن اور اسلام پھیلانے میں بہترین نتائج پیدا کیے۔ سب سے بڑھ کر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ عرب میں بیوہ ہو جانے کا مطلب لاوارث ہو جانا تھا۔ دوسرے یہ کہ دامادی کا رشتہ عرب میں بہت ہی احترام کا متقاضی تھا۔ تو یہ تھیں وہ مصلحتیں جن کی خاطر نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارے نکاح کیے۔ اگر زیادہ نکاح اُس دور میں معیوب ہوتے تو ان کا مثبت اثر ہونے کی بجائے منفی نتائج نکلنا چاہییں تھے۔ آج جو جاہل اپنی ثقافتی اور تاریخی لاعلمی کی بنا پر اور اپنے ناقص ویلیو سسٹم سے پرکھتے اور الزام دیتے ہیں اُن کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

توہین آمیز کارٹون اور فلم

یہ فلم کیلیفورنیا کے ایک قصبہ میں مقیم جس ناکام مصری عیسائی تارکِ وطن سے لکھوائی اور بنوائی گئی، وہ معاشی ناکامیوں کی وجہ سے جیل کاٹ کاٹ کر تنگ آ چکا تھا اور اُسے پیسے کی ضرورت تھی۔ فلم کی تیاری میں پادری ٹیری جونز نے بھی حصہ لیا جو قرآن حکیم کے نسخے جلا کر منفی شہرت اور فنڈز سمیٹ رہا ہے۔ اس فلم میں کیے گئے گالی گلوچ کو توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ذاتِ گرامی پر اعتراضات تو آپ کی زندگی میں بھی

کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ کی طرف سے کیے جاتے رہے لیکن عربوں کی اخلاقی حالت نے انہیں اِس پستی پر مائل نہ ہونے دیا جس پستی پر یہ کارٹون ساز اور فلم ساز جا گرے ہیں۔ بہر حال ان کی ہرزہ سرائی سے آپ ﷺ کی شان میں کمی نہیں آ سکتی۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ **وَرَفَعنَالَکَ ذِکرَکَ**۔

حرفِ آخر

میں نے اپنی بساطِ علم کے مطابق نبیِ معصوم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ہونے والے اعتراضات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ پیش کیا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ یہ کوشش قبول فرمائے، مسلمانوں کو اس سے فائدہ ہو، اور عالمی امن و اخوت میں اضافہ ہو سکے۔ اہلِ علم و دانش حضرات سے گذارش ہے کہ اس تحریر میں کوئی فروگزاشت پائیں تو از راہِ کرم مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ فقط۔

اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد،
کما صلیت علیٰ ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم۔ انک حمید مجید۔

محمد بشیر ہرل۔ (0333-6517766)

۔۔۔۔۔۔۔۔تمت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔